رجسٹرڈ ایل نمبر

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان۔

(یعنی)

رسالہ ریویو آف ریلیجنز

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین۔ اکمل

سالانہ چندہ للعموم ۵ روپے ششماہی ۳ روپے بیرون ہند سے سالانہ ۷ روپے

صیغہ طلباء و غرباء سے اڑھائی روپے

نمبر ۱ | جنوری سنہ ۱۹۲۴ء مطابق جمادی الاول سنہ ۱۳۴۲ھ | جلد ۲۳

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام شیخ عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا۔

جلسہ سالانہ پر احمدی لٹریچر

(خاص خاص نو طبع کتابیں)

قیمت ۸ر

(۱) نور الدین قیمت عہ (۲) تصدیق احمدیہ قیمت ۱۲ر (۳) کلمۃ الحق (مباحثہ احمدی و شیعہ جلالپور جٹاں)

(۴) ابطال الوہیت مسیح قیمت ۳ر (۵) احمدیہ پاکٹ بک مجلد قیمت عہ (۶) درثمین اردو قیمت مجلد ۱ر

(۷) اسلام کی فلاسفی قیمت ۹ر (۸) سیرۃ المہدی (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) قیمت عہ

(۹) احمدی فقہ قیمت ۸ر (۱۰) نجات (حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر) ۱۲ر (۱۱) حقیقۃ الوحی مجلد عہ

(۱۲) سرمہ چشم آریہ عہ (۱۳) ایام الصلح اردو عہ (۱۴) شحنۂ حق اردو ۸ر

(۱۵) سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۳ر (۱۶) النبوۃ فی القرآن عہ

(۱۷) شہادۃ القرآن ۱ر (۱۸) تذکرۃ الشہادتین اردو ۱۲ر (۱۹) دُرِّثمین اردو حجم ۱۶ صفحہ ۵ر

(۲۰) احمدی جنتری ۱۹۲۴ء عہ کی ۱۰ فی ۲ر (۲۱) ملکانہ بھجن ۱ر (۲۲) نماز مترجم ۱۰ عہ کی ۱۲

(۲۳) مضامین علمی ۱ر (۲۴) بیسویں صدی کا مہرشی ۱۰ر (۲۵) مشین گن ۴ر (۲۶) تارپیڈو (چھوت چھات کے متعلق) ۴ر (۲۷) ہماری نماز صیغۂ تعلیم و تربیت کی طرف سے

(۲۸) مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی مکمل جسکے پہلے پیشگوئیوں کے حل کے لئے اصول بتائے گئے ہیں قیمت ۶ر

(۲۹) مباحثہ سرگودھا جو مسئلہ نبوت اور آنحضرت پر مابین سید محمد اسحٰق صاحب مولوی فاضل و مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ہوا ۶ر (۳۰) مباحثہ بمبئی جو مابین حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ و سید محمد اسحٰق صاحب تحریری ہوا (نایاب ہے اسلئے قیمت ۱۲ر) (۳۱) التشریح الصحیح لحدیث نزول المسیح مسئلہ نزول مسیح کے متعلق تمام ضروری حوالوں کا مجموعہ ۸ر

(۳۲) مرہم عیسیٰ ڈبی کلاں عگ (۳۳) مرہم عیسیٰ ڈبی متوسط عہ (۳۴) مرہم عیسیٰ ڈبی خورد ۱۲ر (۳۵) ست سلاجیت شدہ و خالص ایک روپیہ تولہ۔

(۳۶) فائل تشحیذ از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۰ء آٹھ سالوں کے فائل جن میں آریوں عیسائیوں۔ غیر احمدیوں غیر مبایعوں و شیعوں کی تردید۔ اور اسلام و احمدیت کی تائید میں پورا پورا مصالحہ موجود ہے۔ بیس روپے۔

اطلاع:۔ اُمّت محمدیہ میں مسیح موعود۔ زلزلہ جاپان۔ اسلام کی اندرونی تصویر۔ احمدی غیر احمدی میں فرق بھی ہمیں سے ملیگا (مینیجر تشحیذ قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آسمانی گولہ

بجواب

بم کا گولہ

خدا کے مامور و مرسل بندوں کی مخالفت اور دشمنی ابتداء آفرینش سے ہوتی چلی آئی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس اندھی اور ناپائیدار دنیا کے فرزندوں کے ہاتھوں ستائے گئے۔ اور ہر قسم کے منصوبے ان کی تباہی کے لئے باندھے گئے اور قسم قسم کے قابل نفرین جرائم محض ان کی ایذا رسانی کے لئے کئے گئے۔ اس لئے کچھ تعجب کا مقام نہیں اگر فیج اعوج کے زیر سایہ تربیت پانیوالے مُلّا نے خدا کے مسیحؑ مہدیؑ اور مُرسلؑ کی تکذیب کریں اور بے سروپا الزاموں کا نشانہ بنائیں۔ کیونکہ عربی میں ضرب المثل ہے کُلُّ اناءٍ یترشح بما فیہ۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہو۔

مفتریات علماء میں سے ایک ٹریکٹ۔ بم کا گولہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ جس میں ایک صاحب داؤد نامی نے حضرت مسیح موعود علیہ التحیۃ والسلام کی تحریرات کو نہ سمجھنے اور اپنی جہالت کے باعث کچھ بیہودہ سرائی کی ہے جس کا تردیدی جواب لکھا جاتا ہے:۔

اعتراض اوّل:۔ معترض کہتا ہے۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۷ میں مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے۔ ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعودؑ جب ظاہر ہوگا۔ تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اُٹھائیگا الخ۔ یہ جھوٹ ہے۔ آیات اور احادیث دکھلاؤ۔

معارف قرآنی کن پر کھلتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یمسّہ الّا المطھّرون۔ قرآنی علوم پاکیزہ لوگوں پر ہی کھلتے ہیں۔ پس کسی انسان کا ایسی کتاب کے متعلق جس کی شان تبیانا لکل شیءٍ

ہے یہ کہنا کہ اس میں ایسی ضروری باتیں نہیں سوائے اس کے کہ وہ زمرۂ "مطہرین" سے خارج ہے۔ اور کیا ثابت کر سکتا ہے۔

پیشگوئی مذکورہ بطریق عموم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون (یٰس ع ۲) افسوس بندوں پر ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا یا آئیگا مگر یہ اس سے استہزاء کرتے اور کرینگے۔

دوم فرماتا ہے۔ کہ ہر رسول کی مخالفت ہوتی اور اس کو دکھ پہنچایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یوں فرمائی ہے۔ افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم الخ۔ کہ رسول صحیح تعلیم لیکر آتے ہیں اور لوگ بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ پس یہ پیشگوئی بلحاظ اپنے عموم کے مسیح موعود مرسل من اللہ کے لئے بھی ہے۔

پیشگوئی مذکورہ بطریق خصوص

سورہ فاتحہ میں بتایا گیا ہے۔ کہ بعض افراد اس اُمت مرحومہ کے مغضوب علیھم (یہودی) بن جائینگے یعنی ان میں ایک مسیح آئیگا جس کی تکذیب کرکے وہ یہود کے مثیل بن جائینگے اسی آیت کی تشریح میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

لیاتین علی اُمتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی اُمہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذٰلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین الخ رواہ ترمذی [illegible]

میری امت یہود کی پوری مثیل ہوگی حتیٰ کہ اگر انہوں نے ماں سے زنا کیا ہے تو یہ بھی کریگی گویا کامل مشابہت ہے۔ اور یہود کے نقائص میں ایک بڑا نقص حضرت عیسیٰ کا انکار اور تکذیب ہے۔ اور ان کے علماء کی حالت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے۔ مَثَلُ الذین حُمّلوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا الخ (جمعہ ع ۱) کہ وہ گدھے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے علماء اُمت محمدیہ کے متعلق بالتصریح بھی فرما دیا:۔

یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ علماؤھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود رواہ البیہقی (مشکوٰۃ ص ۳۸)

ایسا زمانہ عنقریب آئیگا کہ ان کے علماء تمام انسانوں حیوانوں۔ پرندوں چرندوں۔ درندوں سے زیادہ شریر ہونگے فتنہ کی ابتداء و انتہاء ہوں گے۔

پھر فرمایا۔ یقبض العِلْمُ بقبض العلماء حتّٰی اذا لم یُبْقِ عالماً اتخذ الناس رؤسًا جُھّالاً فافتوا بغیر علم فضلّوا واضلّوا۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۳۳)

یعنی جب علماء قبض کر لئے جائینگے تو لوگ جہلاء کو ہی یا غنیمت سمجھ کر انہی کو سردار کا خطاب دیدیا کرینگے۔ اور وہ آگے جہالت کے فتوے دینگے اور مسیحِ وقت کی مخالفت کو ثواب جانینگے اور خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرینگے

ان صریح آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے ایسا صاف انکار کس قدر دیدہ دلیری ہے۔ گو پیشگوئیاں تو بہت ہیں۔ لیکن بخوف طوالت ان کو چھوڑا جاتا ہے۔

کیا یہ پیشگوئی اس زمانہ کے لئے ہی ہے؟

جواب کو مکمّل کرنے کے لئے ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں۔ کہ قرآن و حدیث اور واقعات پر نظر تعمق ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ انّ الذین فرّقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیءٍ (انعام ع) نیز فرمایا اَوْ یلبسکم شِیَعًا ویذیق بعضکم بأس بعض (انعام ع) کہ فرقہ بندی رسول سے بے تعلقی اور خدا کے عذاب کی نشانی ہے۔ اور یہ نشانی اب موجود ہے۔ اور نہایت کثرت سے موجود ہے۔ پس معلوم ہُوا۔ کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب (کنز العمال) تین صدیوں کے بعد لوگ خراب ہونے شروع ہو جائینگے۔ پھر دوسری جگہ صریح فرمادیا الاٰیات بعد المأتین رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۱) کہ یہ سب نشان خروج دجّال اور آمدِ مسیحؑ وغیرہ کے بارہ سو سال کے بعد ظاہر ہونگے۔ پس معلوم ہُوا۔ کہ آنحضرت صلعم اور قرآن کریم کی ان پیشگوئیوں کے مصداق یہی علماء ہیں۔ نیز ان تمام نصوص کے علاوہ سورۃ صف کی آیت یُدْعٰی الی الاسلام (جس میں آنے والے رسول مسیح موعودؑ کا نام بھی احمدؐ مذکور ہے) بھی بتاتی ہے۔ کہ لوگ اس کو اسلام سے خارج کرینگے اور کہینگے کہ تُو اسلام میں داخل ہو جا۔ پس کسی کا ان پیشگوئیوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت اقدسؑ پر اعتراض کرنا سوائے جہالت کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ تدبروا و تشکروا۔

اعتراض دوم:۔ مرزا صاحب نے شہادۃ القرآن صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے۔ کہ **ھذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی** صحیح حدیث ہے اور بخاری کی ہے۔ حالانکہ بخاری میں نہیں ہے۔ یہ آپکا جھوٹ ہے۔

جواب:۔ کیا ھذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی صحیح حدیث نہیں؟ جو مدار دعوٰی ہے۔

باقی اصل کتاب کی جگہ بخاری لکھا جانا بعید از قیاس نہیں - نبی انسان ہی ہوتا ہے سو کے قریب کُتب کے مصنف سے کسی جگہ حوالہ میں تسامح ہو جانا عیب نہیں - اور اس کو جھوٹ قرار دینا "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" والی بات ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے - کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یخیل الیہ انّہٗ یفعل الشیء وما یفعلہٗ (باب السحر مسلم مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸۰) کہ آپ کو خیال ہو جاتا تھا - کہ میں فلاں کام کرتا ہوں حالانکہ نہ کر رہے ہوتے تھے - پھر آپؐ خود فرماتے ہیں - انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون الخ (مشکوٰۃ صفحہ ۹۲) کہ میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں - کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹ بولا کرتے تھے - لوازم بشریت سے انبیاءؑ بھی علیحدہ نہیں ہوتے - مشہور مقولہ ہے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان - اگر حدیث نہ ہوتی یا حدیث صحیح نہ ہوتی - تو اعتراض ہو سکتا تھا - جب ایسا نہیں تو اس جھگڑے سے کہ فلاں کتاب میں ہے یا بخاری میں کیا فائدہ - اصل حدیث کے لئے ملاحظہ ہو - حجج الکرامہ جس میں بحوالہ ابو نعیم الفاظ ابن ماجہ نے نقل کئے ہیں اور حاکم نے مستدرک میں اسے شرط شیخین پر لکھا ہے اور حجج الکرامہ میں اسکے راویوں کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے راوی بھی **بخاری** اور مسلم کے راوی ہیں - اگر محض حوالہ کا سوال ہے اور اس سے کسی کا جھوٹ ثابت ہوتا ہے تو بتاؤ کہ توضیح مشہور و معروف مستند کتاب اصول فقہ میں لکھا ہے کہ اذ ثبت فی القرآن ان موسٰی و عیسٰی بشرا بشریعۃ محمدؐ واوجبا الرجوع الیہ عند ظہورہ حضرت موسٰیؑ اور عیسٰیؑ نے شریعت محمدی کی بشارت دی اور اس کے ظہور کے وقت اس کی طرف رجوع کو واجب جانا ہے - یہ الفاظ بعینہٖ قرآن مجید میں کہاں ہیں ؟

اسی طرح تلویح شرح توضیح میں ہے - تکثر لکم الاحادیث بعدی ان الامام ابا عبد اللہ البخاری روٰی ھذا الحدیث فی کتابہ امام بخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں لکھی ہے - صحیح البخاری میں اسے دکھائیے ؟

اعتراض سوم :- قادیانی اخبار البدر مورخہ ۱۹ - دسمبر ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلعم کے گیارہ بیٹے ہوئے -

جواب :- ناظرین کرام - آپ ۱۹ - دسمبر ۱۹۰۶ء کا بدر ابتداء سے آخر تک دیکھ جائیں آپکو قطعاً یہ حوالہ تو کجا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا کوئی مضمون بھی اس اخبار میں نظر نہ آئیگا -

کہیئے صاحب! اگر مُسلم کی جگہ بخاری لکھا جانا جھوٹ تھا۔ تو یہ جھوٹ نہیں۔ سچ ہے۔ سہ
کیا لُطف جو غیر پردہ کھولے۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آپ اور آپکے تمام ہمنواؤں کو تاقیامت چیلنج ہے کہ اس عبارت کو اس حوالہ سے نکالکر دکھاؤ۔ ولن تستطیعوا ان تفعلوا۔ باقی اگر کسی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسا تحریر فرمایا ہے تو اس کو "جھوٹ" کہنا اپنی پردہ دری کرانا ہے۔ علم تاریخ کے جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی اولاد کی تعداد میں مورخین میں بہت اختلاف ہے۔ اور بعض لوگوں نے کُل اولاد گیارہ بھی قرار دی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "اور بعضے طیب اور مطیب کو ایک بطن سے کہتے ہیں اور طاہر اور مطہر کو ایک شکم سے۔ پس اس حساب میں سب اولاد گیارہ تن ہوتی ہے۔" (احوال الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۳۶۲)

اور پھر لکھا ہے:۔ "وقیل عبد اللہ غیر الطیب والطاہر حکاہ الدارقطنی وغیرہ فعلیٰ ھذا تکون جملتھم تسعۃ خمسۃ ذکور واربعۃ اناث وقیل کان لہ الطیب والمطیب ولدا فی بطن والطاہر والمطہر ولدا فی بطن ذکرہ صاحب الصفوۃ فیکونون علیٰ ھذا احد عشر وقیل ولد لہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد قبل المبعث یقال لہ عبد مناف فیکونون علیٰ ھذا اثنی عشر" (تاریخ خمیس مصری جلد ۱ صفحہ ۳۴)

یعنی بعض کہتے ہیں کہ عبد اللہ۔ طیب اور طاہر کے علاوہ ہے۔ تو کُل ۹۔ پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہونگی اور بعض نے طیب اور مطیب کو ایک پیٹ سے اور طاہر اور مطہر کو ایک پیٹ سے قرار دیا ہے جیسا کہ صاحب الصفوہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر اس صورت میں گیارہ ۱۱ ہوجائینگے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بعثت سے پیشتر بھی آپؐ کا ایک لڑکا تھا جس کا نام عبد مناف تھا۔ تو کُل بارہ ۱۲ ہوئے۔"

اور پھر تاریخ الخمیس جلد ۱ صفحہ ۵۲۵ پر لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ ام سلمہؓ سے سلمہ ۱، عمرو ۲، زینب ۳ آپ کے ربیبہ تھے۔

دوستو! ان روایات کی موجودگی میں اگر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے کسی جگہ گیارہ ۱۱ تن یا گیارہ لڑکوں کی وفات کا ذکر فرمایا تو کونسا غضب کیا؟

امرتسری دوست! خدا لگتی کہنا تم نے جھوٹ بولا یا کسی مرشد نے تم کو دھوکہ دیا۔ معقول اور مدلل اعتراض تو امرتسری خاک کا خاصہ ہی نہیں +

اعتراض چہارم:۔ معترض لکھتا ہے۔ "رسالہ چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ "ڈاکٹر عبد الحکیم خان پٹیالوی نے میرے حق میں پیشگوئی کی ہے کہ میں ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک مرجاؤنگا مجھے خدا نے

اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی میری زندگی میں مرجائیگا"

جواب :- بالکل جھوٹ۔ اگر سچے ہو تو رسالہ چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۰ سے یہ پیشگوئی تو کیا۔ عبدالحکیم پٹیالوی مرتد کا نام ہی دکھلا دو۔ تو یکصد روپیہ انعام دیا جائیگا۔ پھر خط کشیدہ الفاظ کو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا جھوٹ گردانا گیا ہے ہم چیلنج دیتے ہیں۔ کہ اگر کسی امرتسری یا پسروری وغیرہ میں طاقت ہے تو وہ تمام کتاب چشمہ معرفت سے یہ الفاظ دکھائیں ورنہ ان کے تمام گندے القاب ان پر ہی عائد ہونگے۔

کیا عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی پوری ہوئی

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم سلسلہ عالیہ کے پرانے دشمن اور امرتسری خاک کے خلاصہ مولوی ثناء اللہ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امرتسری معاند لکھتا ہے:۔

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے۔ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵۔ مئی کے اہلحدیث میں ان کے الہامات درج ہیں۔ کہ ۲۱ ساون یعنی ۴؍۔ اگست کو مرزا مریگا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ۲۷ کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چھپا ہوا کیا ہے کہ ۲۱۔ ساون کی بجائے ۲۱ ساون تک ہوتا تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہیہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کر دیتے تو آج یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا۔" (اخبار اہلحدیث ۱۲؍ جون ۱۹۰۸ء)

کہئے دوست! کیا اب بھی کہو گے کہ عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں ✦ زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

چشمہ معرفت اور لفظ "تک"

بے شک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چشمہ معرفت میں لفظ "تک" لکھا ہے۔ کیونکہ ۱۶۔ فروری ۱۹۰۸ء کا یہی الہام تھا (دیکھو اہلحدیث ۳۔ جولائی ۱۹۰۸ء) مگر مرتد مذکور نے خود اس کو منسوخ کر دیا چنانچہ پیسہ اخبار ۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۲ میں ہے:۔

"الہامات جدیدہ۔ مکرم بندہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے الہامات جدیدہ جو مرزا غلام احمد کے متعلق ہیں اپنے اخبار میں شائع فرما کر ممنون فرما دیں (۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ کو مرض مہلک میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔ (۲) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مرجائیگی۔ والسلام خاکسار عبدالحکیم خاں ایم۔ بی۔ پٹیالہ۔ ۸۔ مئی ۱۹۰۸ء"

اسی طرح اہلحدیث ۱۵؍ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ پر بھی عبدالحکیم کا مندرجہ بالا الہام درج ہے پس چشمہ معرفت

کے لفظ "تک" سے استدلال کرنے کا جواب ثناء اللہ امرتسری نے دیدیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم معترض کو فریب خوردہ کہیں یا دھوکہ دہ۔

اعتراض پنجم ۔ معترض لکھتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰-۳۹۱ پر لکھا ہے۔ "واضح ہو کہ احادیث نبویہ میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلعم کی اُمت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ بن مریم کہلائیگا۔ اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائیگا" یہ جھوٹ ہے اور بے ثبوت ہے ورنہ کسی کتاب سے ثابت کرو۔

جواب:- لیجئے صاحب! بخاری اور مسلم میں ہے۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ اے مسلمانو! تم کیسے خوش قسمت ہوگے جبکہ تم میں ابن مریم تشریف لائینگے جو تمہارے امام ہونگے اور تم میں سے ہی ہونگے (تفصیل کے لئے دیکھو ریویو آف ریلیجنز اکتوبر ۱۹۲۳ء) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اُمت محمدیہ میں سے ایک مسیح بن مریم کے پیدا ہونیکی پیشگوئی کی گئی ہے۔

پھر مسلم شریف میں نواس بن سمعان کی ایک لمبی اور مشہور حدیث ہے۔ جس میں آنے والے ابن مریم کو جو اُمت مرحومہ میں سے پیدا ہونے والا تھا۔ چار دفعہ "نبی اللہ" کا پیارا لقب دیا گیا ہے (مشکوۃ) پس حضرت اقدس ؑ کے اس بیان کو جھوٹ سمجھنا اپنی جہالت پر مُہر تصدیق لگانا ہے۔ تدبروا تفکروا۔

اعتراض ششم :- حضرت مرزا صاحب نے نشان آسمانی صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے۔ کہ مہدی کے لئے احادیث سے خاص اشارات پائے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ہیں تو بیان کرو۔

جواب:- وہ اشارات ایک دو دفعہ نہیں۔ کئی بار بیان کیئے جا چکے ہیں۔ لیکن کیا کریں اللہ تعالیٰ نے ہی فرمادیا ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اٰذان لا یسمعون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔ اور خود حضرت مسیح موعود ؑ نے فرمایا ہے۔

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب ✦ ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

سنئے صاحب! آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ الاٰیات بعد المأتین۔ خروج مہدی اور نزول عیسیٰ ۱۲ سو سال کے بعد ہوگا۔ اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے ویحتمل ان یکون اللام فی المأتین بعد الالف وھو وقت ظھور المھدی الخ (مرقاۃ شرح مشکوۃ) اور پھر فرمایا ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ (دار قطنی صفحہ ۱۸۸) وغیرہ وغیرہ احادیث مہدی۔

(تفصیل کے لئے دیکھو۔ ریویو آف ریلیجنز۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء) ع اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا۔

اعتراض ہفتم "۔ ۱۲۔ اگست سنہ ۱۹۰۷ء۔ مرزا صاحب نے اشتہار دیا تھا جس کی سُرخی یہ تھی "عام مریدوں کے لئے ہدایت"۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو۔ تو اس شہر کے لوگوں کو چاہیئے کہ بلا توقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔ جی صاحب ہاں! یہ جو افترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھا اس کی خود مرزا کو یہ ضرورت پیش آئی کہ قادیان میں جب طاعون آیا تو مرزا باہر بھاگا اس لئے اس بھاگنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ظاہر کرنا چاہا"

جواب:۔ حضرت اقدسؑ نے ۱۲۔ اگست کو اس عنوان کا کوئی اشتہار نہیں دیا۔ ہاں البتہ ۲۲۔ اگست کو ایک اشتہار دیا۔ جس کا عنوان "تمام مریدوں کے لئے عام ہدایات" تھا۔ کہیئے صاحب! کیا یہ دو جھوٹ نہ ہوئے۔

یاد رہے۔ کہ اولیاء اللہ کی شان ہے۔ کہ ان کو بہت سی احادیث براہ راست آنحضرت صلعم سے معلوم ہوا کرتی ہیں۔ اور وہ بعض احادیث کو صحیح ٹھیراتے ہیں جن کو لوگ موضوع قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بعض احادیث کو موضوع ٹھیراتے ہیں جن کو لوگ صحیح سمجھتے ہیں۔ پس حضرت اقدسؑ کا فرمانا "اور مجھے معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے الخ" اس بات کو مستلزم نہیں۔ کہ ہم یہ روایت کتب احادیث سے نکال کر دکھائیں۔ لیکن بزرگوں کا مقولہ ہے۔ "دروغگو را تا بہ خانہ اش باید رسید"۔ اس لئے ذیل میں وہ روایات بھی درج کر دیتے ہیں۔

بیماروں سے حفاظت ضروری ہے | اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃِ۔ کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور آنحضرت صلعم نے بھی دوا کا حکم دیا ہے اور طاعون کے متعلق تو آپ نے دعا بھی فرمائی۔ (دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۲۵) اور ہمارا مشاہدہ بھی ہے۔ کہ احتیاط کرنے والے بہت حد تک اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

مکانات چھوڑنے کا حکم } عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے۔ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارضٍ وانتم بھا فلا تخرجوا فراراً منہ فحمد اللہ عمر رضی اللہ عنہ وانصرف متفق علیہ (ریاض صالحین صفحہ ۲۱۸ و کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲) آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ جب تم کسی جگہ طاعون سنو تو اس جگہ مت جاؤ اور جب تم وہاں ہو۔ تو اس شہر سے بھاگتے ہوئے مت نکلو

پس حضرت عمرؓ نے خدا کی حمد کی اور واپس ہوئے اور طاعون کی جگہ میں نہ گئے"۔

پھر اور سنئے! (۱) عن عبد الرحمٰن بن غنم قال وقع الطاعون بالشام فقال عمرو بن العاص ان ھذا الطاعون رجس ففرّوا منہ فی الاودیۃ والشعاب۔

(۲) عن شھر بن حوشب قال لما مات معاذ تکلم عمرو بن عبسۃ ایضاً فیمن یلیہ وکان یقول انا رابع الاسلام فقال یا ایھا الناس ان ھذا الطاعون رجس فتفرقوا عنہ فی الشعاب۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)

ترجمہ۔ جس وقت شام میں طاعون پڑی اس وقت عمرو بن العاص رضؓ نے فرمایا۔ کہ یہ طاعون خدا کا عذاب ہے۔ اس لئے تم باہر گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے جاؤ۔

جب حضرت معاذ فوت ہوئے تو عمرو بن عبسہ (جو اسلام قبول کرنے میں چوتھے نمبر پر تھے) نے کہا کہ یہ طاعون رجس ہے اس لئے تم باہر جنگلات میں چلے جاؤ۔

ان دونوں روایتوں اور اوپر والی حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس گاؤں میں وبا نازل ہو۔ اس کو چھوڑ کر باہر چلے جانا چاہیئے۔ مگر بھاگ کر نہیں۔

گاؤں کی زمینیں بھی اس میں داخل ہیں حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جاؤ بلکہ شہر سے باہر کھلی ہوا میں رہنے کا ارشاد کیا ہے۔ اور حوالی شہر۔ شہر کے حکم میں ہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ آیت فسقناہ الی بلدٍ میّتٍ فاحیینا بہ الارض (ہم بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں اور اس زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ صرف شہر کے مکانوں پر مینہ برسنا مراد ہے جو بالکل غلط ہے۔

چیلنج باقی رہا یہ کہ حضرت اقدسؑ طاعون کی وجہ سے اپنے باغ میں چلے گئے۔ ہم معترض کو چیلنج کرتے ہیں وہ یہ ثابت کرے کہ حضرت مسیح موعودؑ طاعون کے خوف سے گئے۔ آپ تو زلزلہ کی وجہ سے بحکمِ خدا اپنے باغ میں رہے جو بالکل بستی سے متصل اور شہر میں داخل ہے۔

اعتراض ہشتم:۔ منشی محمد رمضان کے نکاح والا الہام اور منشی نبی بخش ملازم ریلوے کے ہاں فرزند نرینہ پیدا ہونے کا الہام دونوں کے دونوں جھوٹ ہوئے۔ (عصائے موسیٰ صفحہ ۳۸ دیکھئے)

جواب:۔ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی کتاب "عصائے موسیٰ" نہیں ہے۔ پہلے "عصائے موسیٰ" کو حضرت اقدسؑ کی کتاب تو ثابت کرو۔ ورنہ ہم کہتے ہیں ھٰذا بھتانٌ عظیم۔ اس دیدہ دلیری پر آفرین! اور اس جسارت پر قربان! یقیناً چاند پر تھوکنا اور "دروغ گوئم بر روئے تو"

اسی کو کہتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹:- معترض لکھتا ہے "شہادت القرآن صفحہ ۸۱ پر لکھتے ہیں کہ مرزا احمد بیگ کا داماد میاں سلطان محمد ۱۸۹۴ء تک مر جائیگا اور اس کی بیوی میرے نکاح میں آئیگی۔ (افسوس! کہ تمام صفحہ پر ۱۸۹۴ء کا لفظ تک نہیں) ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴ میں لکھتے ہیں کہ اگر پیشگوئی کی دوسری جز پوری نہ ہوئی تو میں ہر بد سے بدتر ٹھیرونگا" کیا احمد بیگ کا داماد مرزا کی زندگی میں مرگیا کیا محمدی بیگم نکاح میں آئی؟

جواب:- احمد بیگ اور اس کے داماد دونو کے متعلق پیشگوئی تھی۔ اور تھی بھی وعیدی چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔ "یہ پیشگوئی (احمد بیگ اور اس کے داماد کی پیشگوئی) بھی مشروط بشرائط تھی اور ضرور ہے کہ اس وقت تک اس کا دوسرا حصہ معرض توقف میں رہے۔ جبتک کہ خدا تعالےٰ کی نظر میں اسباب نقض شرائط کے جمع ہوں" (ایام الصلح اردو صفحہ ۹۰ حاشیہ)

اور پھر انجام آتھم صفحہ ۳۲ حاشیہ پر ہے۔ کہ یہ پیشگوئی مشروط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:- "اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے (داماد احمد بیگ) تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے کہ اسکو بیباک کر دیوے اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اور اس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔"

اور یوں بھی ہر وعیدی پیشگوئی مشروط بالتوبہ ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص شرارت چھوڑ دے اور خدا تعالےٰ کی طرف جھک جائے تو وہ عذاب ٹل جاتا ہے جیسا کہ قوم یونسؑ کے ساتھ ہوا۔ کہ ان کی تضرع و توبہ سے چالیس دن کا قطعی عذاب ٹل گیا۔ (دُرِّ منثور تفسیر فلولا کانت قریۃ)

اور حدیث شریف میں ہے۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من وعدہ اللہ علی عمل ثوابا فھو منجز لہ ومن وعدہ علی عمل عقابا فھو بالخیار۔ (دُرِّ منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷)

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جس سے اللہ تعالیٰ ثواب کا وعدہ کرتا ہے تو اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔ اور جب سزا کا وعدہ فرماتا ہے تو اسے اختیار ہے چاہے پورا کرے چاہے بندے کے حالات کے موافق بدل دے چنانچہ ایک شاعر بھی کہتا ہے۔ ؎

وان وعد السراء انجز وعدہ ۔ وان وعد الضراء فالعفو مانع

اور پھر شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی کتاب "فتوح الغیب" کے مقالہ ۶۶ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کبھی اللہ کی طرف سے وعدہ ہوتا ہے اور اسمیں وقت

بھی مقرر ہوتا ہے۔ مگر بوجہ شرائط اور قیود مخفیہ کے جن پر بندہ کو اطلاع نہیں دی جاتی۔ وہ وعدہ پورا نہیں ہوتا۔"

پس یہ پیشگوئی بالکل پوری ہو گئی کیونکہ احمد بیگ کے میعاد کے اندر مرنے سے سلطان محمد پر نہایت ہی گہرا اثر ہوا اور وہ حضرت مرزا صاحبؑ کی بزرگی کا قائل ہو گیا چنانچہ ۱۵/۱۹ جون ۱۹۲۳ء کے "الفضل" میں اس کا اپنا بیان بھی درج ہے۔ کہ میں حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت کو دلی یقین سے مانتا ہوں محمدی بیگم کا نکاح میں آنا موقوف تھا سلطان محمد کے مرنے پر۔ جب اس نے توبہ و تضرع کی اور دائمی سُنّت اللہ سے نفع اُٹھایا۔ تو بموجب اصل اذا فات الشرط فات المشروط نکاح بھی ٹل گیا۔ واللہ غالب علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

پیشگوئی کی دوسری جزو یعنی سلطان محمد اگر شوخیوں سے باز نہ آئیگا تو ضرور ہلاک کیا جائیگا روز روشن کی طرح پوری ہوئی۔

اے بطلان پرست علماء! کیا سلطان محمد کا آج تک زندہ رہنا اور تمہارا اُس سے تکذیب مسیح موعودؑ کا اشتہار نہ دلوا سکنا حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر زبردست دلیل نہیں؟ جبکہ حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھ دیا تھا۔ "فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اسکی موت تجاوز کرے تو مَیں جھوٹا ہوں۔" (انجام آتھم صٓ۳۲ حاشیہ)

اے کہلانے والے علماء! کیا یہ شرم کا مقام نہیں کہ تم اس دریدہ دہنی سے حضرت اقدسؑ کو بُرا بھلا کہتے ہو مگر سلطان محمد سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکے اور نہ دِلا سکو گے۔ کہاں ہے تمہاری پاک کانشنس! اور کہاں ہے تمہاری سلیم فطرت! جو سمجھے اور غور کرے۔

اعتراض دہم:۔ "اربعین نمبر ۳ صفحہ ۹ پر مرزا صاحبؑ لکھتے ہیں کہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور مولوی اسمٰعیل صاحب علیگڈھی نے لکھا ہے۔ کہ جھوٹا سچے کے سامنے مر جائیگا۔" یہ مرزا صاحب کا صریح جھوٹ ہے۔ ورنہ کوئی بتلائے کہ کہاں لکھا ہے۔

جواب:۔ لیجئے صاحب! گوش ہوش سے سُنیئے کیونکر قصوری مُلّاں حضرت مرزا صاحبؑ پر بددعا کرتا اور آپ کو جھوٹا ثابت کرنے لئے پہلے مزا دلیل گردانتا ہے چنانچہ لکھتا ہے:۔

"اللّٰھمّ یا ذا الجلال والاکرام یا مالک جیسا کہ تُو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور

جعلی مسیح کا بیڑا غارت کیا (جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجا اس فقیر قصوری کان اللہ لہٗ کی ہے جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تُو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق رفیق فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں۔ تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کا بنا فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العٰلمین انک علیٰ کل شیئ قدیر و بالاجابۃ جدیر۔ یعنی جو لوگ ظالم ہیں وہ جڑھ سے کاٹے جائینگے اور خدا کے لئے حمد ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور دعا قبول کرنے والا ہے۔ آمین" (رسالہ فتح رحمانی صفحہ ۲۶ و ۲۷ مطبوعہ مطبع احمدی ۱۳۱۵ھ مؤلف مولوی غلام دستگیر قصوری)

باقی مولوی اسمٰعیل علیگڈھی کے متعلق یاد رہے۔ کہ اس نے یہ بددعا کی جو اس کی کتاب (البیان الصحیح) میں درج تھی مگر جب وہ اس بددعا کے اثر سے اثنائے طبع میں ہی مرگیا۔ تو تم لوگوں نے اس ورق کو نکال دیا۔ تا اس طرح ایک نشان پر تو پردہ پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجودیکہ حضرت اقدسؑ نے بڑی تحدی سے اور بار بار اس بات کو پیش کیا۔ مگر کوئی انکار نہ کرسکا۔ پس وہ سکوت اس بات پر زبردست دلیل ہے۔ کہ فی الواقع اسمٰعیل صاحب نے ایسا لکھا تھا جسے بیہودہ خصلت مخالفوں نے نکال دیا۔

اعتراض یازدہم:- "اخبار بدر مورخہ ۲۷۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے۔ کہ جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے سامنے آئے سب کے سب ہلاک ہوئے" نعوذ باللہ کیسا جھوٹ سوائے صوفی عبدالحق صاحب کے مرزا صاحب نے کسی کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا۔"

جواب:- حضرت مرزا صاحبؑ کے الفاظ میں یہ کہاں ہے۔ کہ مَیں نے جن لوگوں سے مباہلہ کیا بلکہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی نہ کسی رنگ میں مباہلہ یعنی بددعا کرکے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہ کر فیصلہ چاہا وہ سب ہلاک ہوگئے۔ کہاں ہے چراغدین جمونی۔ فقیر مرزا۔ سعداللہ نومسلم۔ غلام دستگیر قصوری۔ مولوی اسمٰعیل علیگڈھی۔ کیا یہ سب وہ لوگ نہیں جنہوں نے مختلف طریقوں سے بددعا کی اور اپنے رنگ میں مباہلہ کیا اور نیست و نابود ہوگئے۔ پس حضرت مرزا صاحبؑ نے جو کچھ لکھا ہے۔ بالکل بجا اور درست ہے اور درست لکھا ہے۔ تمہیں بھی اپنی دماغی حالت کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

عبدالحق کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی بددعا نہیں کی چنانچہ فرماتے ہیں:-
"میرے دل نے عبدالحق کے لئے کسی بددعا کو پسند نہیں کیا بلکہ میری نظر میں وہ قابل رحم تھا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس کو برا کہتا ہے ...... بہرحال مباہلہ میں جو اس نے چاہا کہا مگر میری دعا کا مرجع میرا ہی نفس تھا اور مَیں جناب الٰہی میں یہی التجا کر رہا تھا۔ کہ اگر مَیں کاذب ہوں تو کاذبوں

کی طرح تباہ کیا جاؤں اور اگر میں صادق ہوں تو خدا میری مدد اور نصرت کرے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۴)

پس اس کے ساتھ بھی حقیقی مباہلہ نہیں ہوا۔ باقی اس کا بعد میں مرنا۔ بھی حضرت مرزا صاحبؑ کی بددعا (اگر بقول تمہارے مان بھی لی جاوے) کو غلط نہیں ثابت کرسکتا۔ چنانچہ تمہارا ..... ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر مسیلمہ پر یہ ہوا تھا کہ آپ کے بعد مرا مگر آخر کار چونکہ بے نیل مرام مرا اس لئے دعا کی صحت میں شک نہیں" (مرقع قادیانی ماہ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ)

نصیحت ہم اعتراضات کے جوابوں سے فراغت پا چکے۔ اب ہم اپنے بھائیوں کو نہایت ہمدردی سے یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحبؑ کی ذات والا صفات پر ایسے اعتراضات نہ کیا کریں۔ جو پہلے انبیاء پر بھی وارد ہوتے ہوں۔

مسیح موعودؑ اور اُمّتِ محمدیہ

(نمبر ۲)

رسالہ تائید الاسلام ماہ نومبر میں ہمارے مضمون "مسیح موعودؑ اور اُمّت محمدیہ" کے جواب کی سعی ناکام کی گئی ہے۔ بابو پیر بخش صاحب نے کوشش تو بہت کی کہ کسی طرح کچھ جواب بن آئے۔ مگر افسوس کہ ناکام و خاسر رہے۔ گو اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر بابو صاحب پر اتمام حجت کے لئے جواب درج کیا جاتا ہے۔

قولہٗ۔ حدیث میں ہے الانبیاء اخوۃ العلات امھاتھم شتّٰی ودینھم واحد وانی اولی الناس بعیسی بن مریم لانہ لم یکن بینی وبینہ نبی وانّہ نازل الخ رواہ احمد وابو داؤد اس میں عیسٰی کے آنے کی پیشگوئی ہے۔ لہٰذا نبی اسرائیلی عیسٰے ہی۔

اقول۔ ہم نے اپنے مضمون میں پانچ دلائل قرآنیہ سے مسیح موعودؑ کا اُمّت محمدیہ سے ہونا بیان کیا تھا۔ افسوس! بابو صاحب کو ان کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی۔

جناب والا! لفظ عیسٰی بن مریم سے مسیح ناصری کا موعود سمجھنا غلطی ہے۔ جس کے دلائل گذشتہ مضمون میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ ہاں مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ انّکن لانتنّ صواحب یوسف (بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۷ و ۹۳ وغیرہ) اے میری بیویو! تم یوسفؑ والیاں ہو۔ دیکھو کس صفائی اور وضاحت سے آپ نے اپنے آپکو یوسفؑ قرار دیا ہے۔

لانہ لم یکن نبی بینی وبینہ کے صاف معنی ہیں۔ کہ میرے اور مسیح موعودؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں بلکہ محدث ہیں۔ ہاں وہ نبی ہوگا۔ انّہ نازلٌ کے معنی ہیں۔ وہ آئیگا۔ تکریم و تعظیم کے لئے آمدِ رسول کو لفظ نزول

سے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے رسول اللہ صلعم کے لئے بھی آیا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولا یتلو علیکم (سورہ الطلاق ع)

قولہ۔ "اور یہ باطل عقیدہ ہے۔ کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد اُمت محمدیہ میں سے کوئی اُمّتی نبی اللہ ہو۔ اور مسیح موعود ہو کیونکہ اُمت محمدی میں سے جس وقت کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کریگا۔ وہ اُمت سے خارج ہو جائیگا۔"

اقول۔ بابو صاحب! کیا بے پر کی اُڑائی ہے۔ کہ اُمت محمدی میں سے جس وقت کوئی شخص نبوّت کا دعویٰ کرے تو اُمت سے خارج۔ لیکن اُمت موسوی میں سے ہو تو نہیں۔ ذرا مہربانی کر کے وجہ فرق بتا دیں۔ اور سند بھی۔ بے سند محض خرافات حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۰ پر جس نبوت سے انکار فرمایا ہے یا جس کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنیوالی قرار دیا ہے۔ وہ تشریعی یا باشریعت نبوّت ہے۔ دیکھو (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۶) اور وہ اسجگہ زیر بحث نہیں۔

قولہ۔ "البتہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی علوّ شان اس وقت ظاہر ہوگی۔ کہ ایک رسول صاحبِ کتاب آپکی اُمّت میں داخل ہو کر خدمت اسلام کرتا ہے اور اُمت محمدی کا ایک امام عادل ہو کر آتا ہے۔"

اقول۔ کیا آجتک اور جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقول جناب تشریف نہ لائینگے۔ آنحضرت صلعم کی علوّ شان "ظاہر" نہیں ہوئی اور نہ ہوگی (نعوذ باللہ من ذالک) اگر علوّ شان کا پورا اظہار مقصود تھا۔ تو حضرت موسیٰؑ یا حضرت ابراہیمؑ کو کیوں نہ رکھا گیا۔ جبکہ آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے لو کان موسیٰ حیّاً لما وسعہ الا اتّباعی کیا وہ نعوذ باللہ آپکی اُمّت میں بنکر یہ فخر حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

صاحب! "علوِّ شان" تو اسی صورت میں ہے۔ کہ آپؐ کی اُمّت کا ایک فرد وہ کارہائے نمایاں دکھائے جو پہلے نبی دکھاتے آئے اور آنحضرت صلعم کی اتباع سے سب مدارج نبوّت کو حاصل کرے۔

تناقض ایک طرف آپ لکھتے ہیں۔ "اُمّت محمدی میں سے جس وقت کوئی شخص نبوّت کا دعویٰ کریگا وہ اُمّت سے خارج ہو جائیگا۔" اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ کی نبوّت کو برقرار اور اُمّت میں داخل قرار دیتے ہیں جناب والا! اگر حضرت عیسیٰ نبی ہیں۔ تو اُمّتی نہیں۔ اگر اُمّتی ہیں تو نبی نہیں۔ اجتماع نقیضین (بموجب تحریر مذکور) محال ہے۔

قولہ۔ "آپ وہ آیت پیش کریں جس میں لکھا ہو "عیسیٰ مات" یا مات اللہ عیسیٰ بن مریم" صاف طور پر وفات مسیح بیان کی گئی ہو۔"

اقول۔ اوّل تو فقرہ "مات اللہ عیسیٰ بن مریم" ہی غلط ہے پہلے اسکی تصحیح کراؤ۔ دوم۔ اگر کسی نبی کی وفات کے صاف طور پر بیان ہونے کے لئے انہی الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔ تو پیر بخش اور اسکے رفقاء کو ہمارا چیلنج ہے کہ ایک نبی کی وفات بھی ثابت کر دکھلائیں۔ ورنہ اپنے کذب کا اعتراف کریں۔

چیلنج منظور روپیہ جمع کراؤ } گو وفات مسیح کا مسئلہ ہمارے نزدیک ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ اور ہر مطالبے کے

وقت ہمارا بچہ بچہ اس کو بخوبی ثابت کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ بابو صاحب نے وفات مسیح کے اثبات پر ایک دلیل پیش کرنے پر سو روپیہ انعام کی ڈینگ ماری ہے۔ اس لئے فی الحال ہم ان آیات یا آیت کو درج نہیں کرتے۔ اور امید رکھتے ہیں۔ کہ بابو صاحب بہت جلد کسی بنک میں سو روپیہ جمع کرا کے اس کی رسید ارسال کرینگے۔ اور یہ بھی بتائینگے۔ کہ انعام کا لینا ہماری مرضی اور فیصلہ پر ہوگا۔ یا ان کے فیصلہ پر۔ غالباً یہ دونو صورتیں نامنظور ہونگی۔ اسلئے صورت تصفیہ سے بھی آگاہ فرما دینگے۔ ہماری طرف سے سو بار آپکا چیلنج منظور ہے۔

قولہٗ۔ حضرت محی الدین ابن عربی نے مسیح اور مہدی کو دو وجود قرار دیا ہے۔

اقول۔ بالکل جھوٹ۔ جو دو عبارتیں پیش کی ہیں۔ ان سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مسیح و مہدی دو ہیں۔ ہاں دونو کا ذکر ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار ہے۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں۔ وَجَبَ نزولہٗ فی آخر الزمان بتعلقہ ببدن آخر (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور صفحہ ۲۶۲ زیر آیت بل رفعہ اللہ الیہ) یعنی آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ کسی اور وجود میں یعنی بروزی طور پر آئینگے۔ اور مہدی سے زیادہ کون آپکا بروز بننے کا مستحق ہوگا۔ پس مہدی اور مسیح ایک ہے۔

قولہٗ۔ ہمارا مطالبہ ہے۔ کہ مولوی اللہ دتا صاحب اس حدیث لا مھدی الا عیسیٰ کو صحیح ثابت کریں۔

اقول۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے۔ جو صحاح ستہ میں سے ہے۔ باقی رہا ضعف رواۃ وہ بھی ہمیں نہیں۔ کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی ہے۔ اور اس سے امام شافعیؒ جیسے نقاد نے روایت لی ہے۔ اور یحییٰ بن معین (جسکی شان میں لکھا ہے۔ کل حدیث لا یعرفہ ابن معین فلیس ھو بحدیث (تہذیب التہذیب صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۸) نے محمد بن خالد الجندی کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھو تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۴ پس یہ حدیث صحیح ہے۔ اور قرآن و سنت الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔ فائتِ ببینۃٍ ان کنت من المنکرین۔

قولہٗ۔ حُلیہ مسیح میں جو اختلاف ہے اس سے ذات مسیح میں تفریق نہیں ہو سکتی۔

اقول۔ چہ خوب! عقلمندی ہو تو ایسی ہی ہو۔ کیا اس لئے تفریق نہیں ہو سکتی۔ کہ آپکے مسلہ کے خلاف ہے۔ جناب ذرا عقل کو کام فرمائیں۔ اور پھر جواب لکھیں حضرت موسیٰؑ کے دو حُلیے ذرا بیان تو کیئے ہوتے۔ پہلا کے اندازہ لگا لیتی کہ آیا یہ آپس میں ضد ہیں۔ اگر ہمت ہے۔ تو اب صحیح احادیث سے ایسا کر دکھائیں۔

قولہٗ۔ جعودت کی تاویل کی ہے۔

اقول۔ تاویل اسی وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ حقیقت ممنوع ہو۔ پہلے حقیقت کو ممنوع ثابت کرو۔ پھر تاویل کرو۔

قولہٗ۔ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۶۱۶ پر لکھا ہے۔ کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو اسکی بابت اہل کتاب سے دریافت کر لیا کرو۔ اب انجیل میں لکھا ہے مسیح آسمان پر زندہ ہے۔

اقول۔ مجھوڑ رہے۔ کہ کل کو کہیں تم انجیل سے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کو بھی نہ مان لو۔ دانشمند دوست! کیا تم کو معلوم نہیں۔ اور تمہارے پاس وہ کتاب نہیں جو تبیاناً لکل شیء ہے۔ جب تو اہل کتاب سے کیوں پوچھتے ہو۔ بات تب بن سکتی تھی جب تم حضرت مسیح کی انجیل سے دکھاتے۔ تم نے تو متی کی انجیل سے دکھانا چاہا ہے جو اسلامی مسلمات میں سے نہیں ہے۔ باقی حضرت اقدس نے تمہارے حسن کو دیکھ لیا تم پر حجت پوری کی ہے۔

قولہ۔ بخاری سے من السماء کے رہ جانے کا احتمال ہے۔ اس سے رہ گیا اور بیہقی سے نہ رہا۔

اقول۔ اوّل کیا بیہقی سے رہنے کا احتمال نہ تھا۔ پھر مسلم سے اور دیگر صحاح سے بھی کیوں رہ گیا۔ دوم۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال جب تم خود بیہقی کے لفظ من السماء کو احتمالی طور پر صحیح مانتے ہو۔ تو اس سے استدلال فضول ہے۔ سوم۔ امام جلال الدین سیوطی نے درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ پر صاف بتادیا ہے۔ کہ بیہقی میں بھی من السماء متن حدیث نہیں ہے۔ تدبر ان کنت من الصالحین۔

قولہ۔ من السماء والی حدیث ضعیف نہیں کیونکہ قرآن نے تصدیق کی ہے وانہ لعلم للساعۃ۔

اقول۔ خود جس کتاب میں روایت درج ہے۔ وہ کہتی ہے ضعیف ہیں۔ مگر آپ کہتے ہیں یا بو صاحب کہتے ہیں کی ہانکے جاتے ہیں۔ قرآن سے تصدیق کی تفسیر قرآن و صحیح حدیث سے کریں تو بات ہے۔ تفاسیر المتقدمین مملوۃ بالغث والسمین (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۶۶) اور حضرت ابن عباس رض کے متعلق بہت لوگوں نے غلط روایات بنالی ہیں چنانچہ علامہ دہر جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:۔ ھٰذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ ورواتھا مجاھیل۔ یہ تفاسیر جو لوگ حضرت ابن عباس رض کی طرف منسوب کرتے ہیں ناپسند ہیں اور انکے راوی مجہول ہیں۔ (اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

قولہ۔ مولوی اللہ دتا لکھتے ہیں۔ حسن بصری کا حضرت علی رض سے ملاقات کرنے سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ حدیث بھی حضرت علی رض نے فرمائی ہے سبحان اللہ کیا خوب جواب ہے۔

اقول۔ صاحب! اپنی عقل سے خلوت میں پوچھیں۔ اگر کوئی کہے میں بابو پیر بخش صاحب سے ملا ہوں۔ تو اب کیا جو وہ کہے وہ آپکی طرف سے سمجھا جائیگا۔ اگر نہیں۔ تو ایسی لغو تحریر سے اجتناب مناسب ہے۔

قولہ۔ تم نے جھوٹ بولا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے عروہ بن مسعود کی شباہت اپنی طرف سے لگادی ہے۔ جس کا جواب سوائے لعنت اللہ علی الکاذبین کے کوئی ہو نہیں سکتا۔

اقول۔ ہمارے بادلیل قول کو تو جناب نے کذب قرار دیا۔ اور آگے بددعا بھی کی۔ مگر محدثین کو کیا کہو گے۔ جو کہتے ہیں:۔

لان المشائخ کثیرًا ما کانوا یذکرون بعد سوق متن الحدیث
کلامًا من عندھم علی سبیل التفسیر فیحسب من یروی
عنھم ان الکلام من متن الحدیث (شرح شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۷۴)

کہ مشائخ اپنے پاس سے بطور تفسیر کے حدیث کے بعد کچھ کلام ذکر کردیا کرتے ہیں۔ جس کو بعض جاہل متن حدیث سمجھ لیتے ہیں۔" پھر اسی متنازعہ فیہ حدیث میں سے ٹکڑہ لا ادری اربعین شھرًا او عامًا کے متعلق لکھا ہے ھٰذا کلام ابن مسعود۔ یہ ابن مسعود کا کلام ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۱ بین السطور)

پس ہماری دلیل نہ توڑ سکنا اور یہی کہنا "الزام لگایا" حماقت کا بہترین نمونہ ہے۔

اخلاق فاضلہ

دنیا میں انسانی ترقی کے لئے جن امور کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور جن کے بغیر کوئی شخص بھی ترقی کے بلند مینار پر چڑھ نہیں سکتا۔ اور وہ باتیں کہ جن پر عمل کرنے کے بغیر یوں کہو کہ انسان انسانیت سے خالی ہوجاتا ہے۔ اور نہ خدا کو راضی رکھ سکتا۔ اور نہ ہی اس دنیا میں ناموری حاصل کرسکتا ہے۔ اُن میں سے ایک عمدہ اخلاق بھی ہیں ؛

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی شخص بھی ہو۔ جب وہ اچھے اخلاق اور عمدہ خلق سے دوسروں کے ساتھ برتاؤ نہ کرے۔ اور بجائے اخلاق حسنہ کے ردّی عادات سے دوسروں کے ساتھ معاملہ کرے۔ تو ایسے شخص کی نہ تو کوئی عزت ہوتی ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قدر کرتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص مصیبت کے وقت اس کے کام آتا ہے۔ لیکن بالمقابل اس کے اعلیٰ اور عمدہ اخلاق والے آدمی کی عزت ہر شخص کے دل میں جاگزین ہوتی ہے۔ اور وہ لوگوں کی نظروں میں معزز و محترم رہتا ہے۔ ہر شخص اسکی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ ایسا شخص ایک آقا کی مانند ہوتا ہے۔ لوگ غلاموں کی طرح اسکی خدمت کرنے پر ہر وقت کمر بستہ اور تیار نظر آتے ہیں۔ پس عمدہ اخلاق کا ہونا ہر شخص کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور بغیر اس کے کوئی شخص کامل انسان نہیں کہلا سکتا ؛

اخلاق ہی ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کے قلوب کو مسخر کر لیتے ہیں۔ اور اخلاق کے ذریعہ سے ہی دوسرے لوگ ماتحت اور غلاموں کی مانند ہوجاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرتے ہیں۔ فاتح کہلاتے ہیں۔ اور مال و دولت سے مالامال ہوجاتے ہیں۔ مگر جانتے ہو۔ کیا وہ لوگوں کے اموال پر قبضہ کرنے کے علاوہ ان قلوب کو بھی تسخیر کرنیوالے ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ لڑائیوں سے دلوں کو فتح نہیں کرسکتے۔ دل اگر فتح ہوسکتے ہیں۔ دل اگر قابو میں لائے جاسکتے ہیں۔ تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ انسان اچھے اخلاق والا بنے۔ اچھے سلوک لوگوں سے کرے۔ اور اچھا نمونہ دکھلائے۔ دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع تھے۔ اُن کے پیرو تھے۔ اُنکی غلامی کو فخر جانتے تھے۔ اور ان کی مخالفت کو خدا کی مخالفت سمجھتے تھے۔ انہوں نے آپ سے اخلاق سیکھے۔ آپ کی عادت کو اپنے اندر جذب کیا۔ آپ کی خصائل کو اپنے اندر لانے کی کوشش کی۔ اور کوشش کرکے لے ہی آئے۔ پھر دیکھو ان کے اخلاق کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ربما یود الذین

کفروا لو کانوا مسلمین - کہ اِن کے اخلاق کا ایسا ساحرانہ اثر کفار پر پڑتا ہے۔ کہ وہ بھی بسا اوقات خواہش اور آرزو کیا کرتے ہیں۔ کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اور ایسے اخلاق کے ہم بھی وارث بنتے۔ یہ اخلاق حسنہ ہی تھے۔ جنہوں نے کفار کے قلوب کو مسخر کر لیا۔ وہ کفار جو ہر طرح کی ایذائیں پہنچانے کی ہر وقت کوشش کرتے رہتے تھے۔ جو صحابہؓ کو تکالیف پہنچاتے۔ اپنی تمام کوششیں خرچ کر ڈالتے۔ اور تکلیفیں دے دے کر تھک کے رہ جاتے۔ وہ کفار جو اسلام کے سخت دشمن تھے۔ جو ہر وقت یہی چاہتے تھے۔ اور ہر گھڑی ان کے دل میں یہی آرزو جوش مارتی تھی۔ کہ اسلام مٹے۔ اور اسلام کا کوئی ایک بھی نام لیوا موجود نہ رہے۔ وہ صحابہؓ کے اخلاق کو دیکھ کر یہ آرزو کرتے ہیں۔ اور خواہش کرتے ہیں۔ کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ ان کی یہ خواہش معمولی خواہش نہیں۔ ان کی پہلی حالت اور اخلاق سے متاثر ہو جانے کے بعد کی دوسری حالت کا مقابلہ تو کر کے دیکھو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ تو کیا اس سے یہ صاف اور بیّن نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ قلوب کو توپیں اور بندوقیں مسخر نہیں کر سکتیں۔ قلوب کو لڑائیاں اور تلواریں قابو میں نہیں لا سکتیں۔ اگر کوئی چیز قلوب کو مسخر کر سکتی ہے۔ دوسروں کے قلوب کو اپنے قابو میں لا سکتی ہے۔ دوسروں کو غلام بنا سکتی ہے۔ تو وہ **عمدہ اور اعلیٰ اخلاق** ہی ہیں۔ پس کون ہے جو ایسی اعلیٰ اور عمدہ چیز کی خبر سُنے۔ اور سُن کے پھر اس کے لینے تک کی خواہش نہ کرے۔ انسان تو انسان حیوانوں اور چارپاؤں کو دیکھ لو۔ وہ بھی نفع دہ چیز لینگے۔ اور ضرر دینے والی چیز سے دُور بھاگینگے۔ اگر کوئی جانور ہلاک ہونیوالی جگہ دیکھ لے۔ تو وہاں پھر وہ ٹھیرا نہیں کرتا۔ دُور بھاگ جاتا ہے۔ لیکن فائدہ مند چیز کی طرف تو وہ بھی بہت رغبت کرتا ہے۔ بھاگا نہیں کرتا۔ جب دوسرے جانوروں میں ہم یہ بات دیکھتے ہیں۔ تو اشرف المخلوقات کو اس سے کہیں زیادہ نفع والی چیز کو لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ خدا نے انسان کو عقل دی ہے۔ اور اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ پس ہر انسان پر لازم اور اُس کا فرض منصبی ہے۔ کہ وہ جس کام میں فائدہ دیکھے۔ اسے جلدی لینے کی کوشش کرے۔ اور جس کام میں ضرر دیکھے۔ اس سے بہت جلدی بچے۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کسی شخص کے کان تک یہ خبر پہنچے۔ کہ کوئی ایسا ذریعہ بھی ہے۔ جس سے تم بڑے بڑے کام کر سکتے ہو۔ دلوں کے فاتح بن سکتے ہو۔ اور پھر وہ ادھر مائل ہی نہ ہو۔ اور اس کی قدر نہ جانے ؛

پس خوب یاد رکھو۔ کہ اخلاق کا دوسروں پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ مال و دولت سے دوسرے انسان کھچے نہیں جا سکتے۔ جتنے کہ اخلاق سے جذب کئے جا سکتے ہیں۔ پس اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنیکی بہت کوشش کرنی چاہیئے۔ تا انسان اسکے نتائج اور اس کے فوائد سے متمتع اور مستفید ہو سکے۔

اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تاکید

قرآن کریم کو جب ہم پڑھتے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے میں تدبر سے کام لیتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اخلاق کی خداوند تعالیٰ نے بہت تاکید کی ہے۔ اور اتنی تاکید کی ہے۔ کہ انسان اگر سوچے تو وہ حیران ہو جائے۔ اور اس کی عقل پھر تیز ہو جائے اور وہ اس وقت سمجھنے لگے۔ کہ مجھے اس مسئلہ پر کتنا عمل کرنا ہے۔ اور کتنا کیا۔ دراصل یہ اتنا ضروری مسئلہ ہے۔ کہ بڑے سے بڑے الفاظ میں ہم اس کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اور جتنا کوئی مسئلہ زیادہ ضروری ہوگا۔ اتنا ہی اس پر عمل بھی زیادہ کرنا ہوگا۔ پس یہ ایک خاص مسئلہ ہے۔ جس کو جاننا ہر انسان پر واجب ہے؛

ابتداء وحی میں اخلاقی تعلیم

دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء وحی جو ہوئی۔ وہ کن الفاظ سے ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے۔ اور آ کے غار حرا میں کہا۔ اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ یہ گو ایک چھوٹی سی عبارت ہے مگر معانی اور مفہوم کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ یہی آیت ہے۔ جو سب سے پہلے رسول اللہ صلعم پر نازل ہوئی۔ اور یہی آیت ہے۔ جس میں اخلاق کے متعلق ایک عجیب پیرائے میں وعظ کیا گیا ہے۔ اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ جس کام کو شروع کیا جائے۔ وہ خدا کے نام سے شروع کیا جائے۔ اور وہ کام خدا کی رضا کے مطابق اور اس کی رضامندی کے ماتحت ہو۔ کوئی ایسا کام نہ جائے جس کے کرنے سے خدا ناراض ہو۔ اور کوئی فعل ایسا نہ کیا جائے۔ جس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ نہ پڑھ لی جائے۔

سوچو تو سہی۔ کیا ہی عجیب اخلاق خداوند تعالیٰ نے لوگوں کو سکھلائے۔ کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت یہ دیکھ لیا جائے۔ کہ آیا یہ کام جو میں کرنے لگا ہوں۔ یہ خدا کی رضامندی کے مطابق ہے۔ یا اس کی ناراضگی کا موجب۔ اگر یہ کام کرنے سے خدا راضی ہوتا ہو۔ خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو۔ تو پھر وہ بخوشی کرے۔ اور دل لگا کے کرے۔ لیکن اگر بجائے رضاء الٰہی کے غضبِ الٰہی اس فعل کا نتیجہ ہو۔ تو پھر اس کام سے فوراً رک جائے۔ اس کام کو ترک کر دے۔ اور سمجھ لے کہ وہ شیطان تھا جس نے ایسے برے کام کی تحریک کی۔ اور وہ یقین کرے۔ کہ شیطان چاہتا تھا۔ کہ یہ کام مجھ سے کروا کے خدا کو مجھ سے اور مجھ کو خدا سے دور کر دے۔ پس جب ایک انسان ہر کام کے کرتے وقت رضاء الٰہی اور غضب الٰہی کو مدِ نظر رکھ لے۔ تو وہ پھر اخلاق فاضلہ کا وارث بن سکتا ہے۔ اور پھر وہ انہیں اخلاق کے ذریعہ سے خدا کو بھی پا سکتا ہے۔ اور دنیا میں بھی عظیم الشان ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ خدا

کے احکام پر چل کے کوئی گھاٹا نہیں پاتا۔ بلکہ اوامر الٰہی پر کاربند ہونے والے ہمیشہ دینی و دنیوی دونو فائدے حاصل کرتے ہیں۔ پس جبکہ ہمیں سب سے پہلی وحیٔ الٰہی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ ہمیں اخلاق حسنہ کی تاکید کی گئی ہے۔ تو پھر تو اسکی اہمیت اور ضرورت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

سورۂ فاتحہ میں اخلاقی وعظ

اس کے بعد جب ہم پھر بنظر غور قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہماری نظر اس مسئلہ کے بارے میں اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتی ہے۔ اور ہمیں اس مسئلہ کی ضرورت خوب اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کی اس ترتیب کے ماتحت جو اللہ تعالیٰ نے خود رکھی۔ سورہ فاتحہ میں جو سب سے پہلی سورۃ ہے۔ ہمیں اس مسئلہ کے متعلق بہت کچھ تاکید نظر آتی ہے۔ اس سورۂ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع کیا گیا ہے۔ یعنی تمام قسم کی تعریفوں کا استحقاق اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور وہی تمام تعریفوں کا مالک اور تمام ثناؤں کا مرجع ہے۔ یہ سورۃ ہر مومن ہر نماز میں اور نماز کی ہر ایک رکعت میں پڑھتا ہے۔ اور ہر قیام پر اسکے منہ سے یہی آواز نکلتی ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پس مومن کا الحمد للہ کہنا اس کی قلبی کیفیت پر شاہد ہے۔ یہ آیت بتلاتی ہے۔ کہ مومن کا دل ہر وقت خدا کی تعریف سے بھرا رہتا ہے۔ اور ہر سیکنڈ میں اس کا ذرہ ذرہ خدا کی حمد سے پُر ہوتا ہے۔ وہ کسی گھڑی میں بھی خدا تعالیٰ کی حمد کرنے سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اُس کا یہ کہنا اسکے اچھے اخلاق پر دلالت کرتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی یہی بتلا دیا۔ کہ تمہاری ہر حالت اسی آیت کے مطابق ہو۔ ہر وقت تم خدا کی حمد میں لگے رہو۔ کیونکہ یہ اعلیٰ اخلاق ہیں جن سے روحیں ترقی کرتی۔ اور خدا کے قرب میں بڑھتی ہیں۔ پس اس آیت سے ہمیں معلوم ہو گیا۔ کہ خداوند تعالیٰ کی حمد کرنی اور بہت کثرت سے کرنی خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لانا۔ یہ اعلیٰ اخلاق ہیں۔ اور اس کی تاکید اللہ تعالیٰ نے اتنی کی۔ کہ ہر نماز کی ہر ایک رکعت میں اس سورۃ کے پڑھے جانے کو ضروری قرار دیکر بتلا دیا کہ تمہاری حالت اچھی ہو۔ تمہارے اخلاق اچھے ہوں۔ اور تمہارے منہ سے ہر وقت یہی آواز نکلتی رہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اس کے بعد چند خدا تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ الرحمٰن۔ الرحیم۔ مٰلک یوم الدین ہیں۔ یہ صفات بتلا کے اور زیادہ اخلاق پر پختگی کردی۔ بتلانا مقصود یہ ہے۔ کہ ایک مومن کی یہی حالت ہونی چاہئیے

کہ وہ اچھے اخلاق والا ہو۔ خدا کی حمد کرنیوالا ہو۔ اور حمد بھی ایسی کہ گویا خدا کا ہی ہو جائے۔ یہ صفات جو بیان کی گئی ہیں۔ بالکل ویسی ہی ہیں۔ جیسے کہ کوئی کسی کا عاشق ہو۔ اب اس بیچارے کو ہر گھڑی اپنے معشوق کا خیال ہی لگا رہیگا۔ وہ جہاں بیٹھیگا اسی کا ذکر کرنا شروع کر دیگا۔ اسی کی باتیں کر کے وہ لطف اُٹھائیگا۔ پھر چند اس کی وصفیں بھی بیان کر دیگا۔ کہ میرا محبوب ایسا خوبصورت ہے۔ ایسی شیریں زبان والا ہے۔ ایسا رحم دل ہے۔ ایسا نیک اور بہادر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی مومن کے اخلاق کی حالت ہے۔ ہر قدم پر اس کے مُنہ سے الحمد للہ ہی نکلتا ہے۔ ہر کام کے شروع کرتے وقت وہ بِسْمِ اللّٰہ ہی کہتا ہے۔ پھر چند صفتیں بھی بیان کر دیتا ہے۔ کہ میرا معشوق میرا خدا تو الرحمٰن۔ الرحیم۔ مٰلک یوم الدین ہے۔ وہ تو بغیر مانگے کے دینے والا ہے۔ وہ تو کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اچھے سے اچھے پھل دیتا ہے۔ پھر وہ بڑی سلطنت بڑے رعب و داب والا ہے۔

الغرض یہ مومن کی حالت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلائی ہے۔ اور بتلا کے ہمیں یہ سمجھایا ہے۔ کہ تمہارے اخلاق بھی ایسے ہی اعلیٰ ہوں۔ یہ نہ ہو کہ تم خدا کی حمد نہ کرتے ہو۔ اور تم اپنے آپ کو ہی ہر کام کرنیوالا سمجھتے رہو۔ بلکہ اعلیٰ اخلاق سیکھو اور عمدہ اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو۔ پھر اسکے بعد ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ بیان فرما کے اور بھی زیادہ وضاحت سے بتلا دیا۔ کہ مومن متکبر نہیں ہوتے۔ ان میں کبر کی بُری عادت نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر وقت آستانہ الوہیت پر گرے رہتے ہیں۔ وہ نہایت عاجزی اور انکساری اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور کبر کی بُو بھی اپنے اندر نہیں رہنے دیتے۔ پھر اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ بیان فرما کے یہ بتلایا۔ کہ مومن کے اخلاق کی تو یہ حالت ہے۔ کہ وہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ کہ کہیں مجھ سے کوئی بُری بات صادر نہ ہو جائے۔ اور میں اخلاق فاضلہ کی بجائے اخلاق ردیہ میں نہ پڑ جاؤں۔ وہ خدا سے دعائیں مانگتا ہے۔ کہ اے خدا میں تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں۔ تو مجھے رستہ دکھلا۔ اور بُرے اخلاق اور بُری عادات سے بچا۔ یہ سورۃ فاتحہ جو قرآن کریم کی سب سے ابتدائی سورۃ ہے کس وضاحت سے ہمیں بتلاتی ہے۔ کہ ہمیں اخلاق فاضلہ کی کسقدر ضرورت ہے۔ اور بُری عادات سے بچنے کی کتنی بڑی حاجت۔ پس ہر شخص جو مُسلم کہلاتا ہے۔ ہر شخص جو چاہتا ہے۔ کہ میں خدا کے پیاروں اور مقرب بندوں میں شامل ہو جاؤں۔ اُس کا فرض ہے۔ کہ وہ اخلاق حسنہ سیکھے۔ کہ بغیر اسکے اسکی آرزوئیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ وہ اچھے اخلاق سیکھے۔ ایسے کہ خدا کی حمد میں مشغول رہے۔ وہ اچھے اخلاق سیکھے۔ ایسے کہ کبر کی عادت کو چھوڑ دے۔ اور بجائے متکبر کے اپنے اندر عاجزی اور انکساری پیدا کرے۔ وہ اچھے اخلاق سیکھے۔ ایسے کہ

ہر وقت ڈرتا رہے۔ کہ میرا قدم کہیں ڈگمگا نہ جائے۔ اور خداوند تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہے۔ کہ اے خدا تو ہی مجھے بُرے طریقوں سے بچائیو۔ اور اچھے رستوں پر چلائیو۔

الغرض اچھے اخلاق کی اللہ تعالیٰ نے بہت تاکید کی ہے۔ اور اتنی تاکید کو دیکھ کر ہی ہر انسان اس کی اہمیت اور ضرورت کا پتہ لگا سکتا ہے۔ پس اعلیٰ اور عمدہ اخلاق کا ہر شخص کے اندر پایا جانا بہت ہی ضروری امر ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جب تک کوئی شخص کسی کام کے تمام حصول پر عبور حاصل نہیں کر لیتا۔ تب تک وہ کام مکمل نہیں ہوتا۔ پس اسی طرح اخلاق فاضلہ سیکھنے والوں کے لئے بھی یہ بات بہت ضروری ہے۔ کہ وہ اخلاق سیکھنے میں اس کے تمام مدارج حاصل کریں۔ ورنہ ان کی تمام کوششیں ادھوری کی ادھوری ہی رہینگی۔ اور وہ اپنی اغراض اور اپنے مدعا کو حاصل نہیں کر سکیں گے ؎

اخلاقی مدارج کی تقسیم

اخلاقی مدارج تین حصوں میں منقسم ہیں۔ جب تک کوئی شخص ان قسموں کو طے نہیں کر لیتا۔ اسوقت تک اس کی ترقی کامل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی دو تک پہنچتا ہے۔ لیکن تیسرے درجے کو نہیں پاتا۔ تو تب اس کی تمام کوشش اور تمام محنت ادھوری ہی رہتی ہے۔ اور جو کوئی شخص پہلے درجے پر رہکر ہی خوش ہے۔ اور اس میں رہ کے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ بھی منزل مقصود سے بہت دور ہے۔ تینوں درجوں کو پورا کرنے سے ہی کوئی شخص کامل ترقی حاصل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ پس انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ جس کام کو شروع کرنے لگے۔ اور جس کام کا بھی تہیہ کرے۔ اسکو پورا کر کے چھوڑے۔ اور اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لے۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو جائے۔ مَیں اپنے اس عمل کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ یہ کام اپنی انتہا اور آخر کو پہنچ جائے۔ جب تک کسی کے دل میں کام کے شروع کرتے وقت ایسا ارادہ پیدا نہ ہو۔ وہ جان لے کہ یہ کام اس سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب ارادہ ہی اس کام کے کرنیکا پیدا نہیں ہُوا۔ تو پھر وہ کام ہو کیسے۔ ارادہ ہی ہے جو مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے رستے سے دور ہٹا دیتا ہے۔ اور یہ ارادہ ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو بڑے بڑے دریاؤں اور سمندروں کو چیر کر اپنے مقصود اور مطلوب سے ملوا دیتا ہے۔ اور ارادہ ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ ہر کام اور ہر فعل کی بناء پہلے اسی سے شروع ہوتی ہے۔ پس ارادہ کا اوّل اوّل پیدا کرنا بہت ضروری اور لابدی امر ہے۔ کہ بغیر اس کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ پس جب کوئی شخص کسی ترقی کسی کمال کسی ہنر اور کسی پیشے کا ارادہ کرے۔ تو اسے پورا کر کے چھوڑے یونہی درمیان میں چھوڑ نہ دے۔ اس طرح سے اسکی پہلی کوشش اور پہلی تمام محنت بھی اکارت جائیگی اور بالآخر نتیجہ بھی اس کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہو گا۔ پس ترقی حاصل کرنیوالے کے لئے یہ نہایت

ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلے۔ کہ میں اس ترقی کے حاصل کرنے میں ان تمام کاوٹوں کو جو اس کے رستہ میں حائل ہوں۔ اپنی تمام کوششوں سے دُور کرونگا۔ اور نہیں ہٹوں گا۔ اور نہیں رُکوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے مقصد کو پالوں۔ پس یاد رہے۔ کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کہ ان تینوں کے مختلف اخلاق اور مختلف عادات ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کو قرآنی اصطلاح میں نفس امّارہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم کو نفس لوّامہ اور تیسری قسم کو نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ تین مدارج ہیں۔ یعنی بعض لوگ نفس امّارہ کے احاطے میں ہوتے ہیں۔ اور بعض نفس لوّامہ کے نیچے۔ اور پھر بعض نفس مطمئنہ رکھنے والے ہوتے ہیں ؀

نفس امّارہ نفس امّارہ اس نفس کو کہا جاتا ہے۔ جو ہمیشہ انسان کو بدیوں اور بُرائیوں کا ہی حکم دیتا رہتا ہے۔ اور ہر گھڑی اس انسان کو فحش اور لغو باتوں کی طرف ہی چلاتا رہتا ہے۔ اور ہر قدم اس کا تنزّل کی طرف ہی گراتا رہتا ہے۔ اور ہر منٹ اور ہر سیکنڈ اس کو تباہی کی طرف ہی لے جا رہا ہوتا ہے۔ اور اس کو شیطان کا دن بدن زیادہ گہرا دوست اور خداوند تعالیٰ کا بہت پکّا دشمن بناتا رہتا ہے۔ پس ایسے شخص کی حالت جو نفس امّارہ کے احاطے میں گھرا ہوا ہو۔ بہت ہی بُری اور بہت قابل رحم ہوتی ہے۔ ایسا شخص شیطانِ مجسّم ہوتا ہے۔ خدا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا نیکی کی ایسے شخص میں بالکل رغبت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کسی چیز کی محبت کسی چیز کا عشق اسے ہوتا ہے۔ تو وہ بُرائی اور بے حیائی کی باتوں کا۔ ایسا شخص بالکل مُردہ کی مانند ہوتا ہے۔ نیکی کی حس نیکی کی قوّت اس میں رہتی ہی نہیں۔ شیطان اس پر پورا تسلّط اور پورا قبضہ جمالیتا ہے۔ اور ایسا شخص بجائے خدا سے محبّت باندھنے کے شیطان سے اُلفت باندھکر شیطان کا ہو جاتا ہے ؀

نفس لوّامہ پھر دوسرے درجے پر نفس لوّامہ ہے۔ ایسے شخص کی حالت جو اپنے اندر نفس لوّامہ رکھتا ہو۔ نفس امّارہ والے کی حالت سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ ایسے شخص میں کچھ جان سی پڑجاتی ہے۔ نیکی کی قوّت بھی آجاتی ہے۔ خدا سے محبّت اور پیار باندھنے کا اسے بھی دھیان آجاتا ہے۔ مگر پھر بھی بچّہ کی طرح ایسا شخص کبھی گرتا ہے۔ مگر پھر سنبھل جاتا ہے۔ پھر ٹھوکر کھاجاتا ہے لیکن پھر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ پھر قدم اس کا ڈگمگا جاتا ہے۔ اور بعد میں پھر وہ پچھتاتا ہے۔ سنبھلتا ہے۔ اور اُٹھتا ہے۔ ایسے شخص کی حالت مذبذب ہوتی ہے۔ نیکی کی طرف رغبت کرتا ہے۔ تو بدی کھینچتی ہے۔ پھر اس بدی میں مبتلا بھی ہو جاتا ہے۔ اس فعل کا مرتکب

بھی بن جاتا ہے۔ مگر بعد میں اپنے فعل پر پچھتاتا ہے۔ نفس لوّامہ اس کو ملامت کرتا ہے۔ پھر نیکی کا یکدم اس کے دل میں خیال آجاتا ہے۔ اور وہ نیکی کرنے لگ جاتا ہے۔ چند دن وہ نیکیاں کرتا ہے اور سمجھتا ہے۔ کہ میں بھی کچھ بن گیا ہوں۔ کہ پھر یکدم وہ کوئی بدی کر بیٹھتا ہے۔ اور بعد میں وہ پھر پچھتاتا ہے۔ ایسا شخص نفس امّارہ والے شخص سے بہت فائدے میں ہوتا ہے۔ یہ بُرائیاں کرتا ہے۔ اور کرکے پچھتاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہائے یہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ مگر نفس امّارہ والا بدیوں پر بدیاں کرتا ہے۔ اور اس کو کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ کہ وہ کیا کررہا ہے۔ وہ اپنے افعال میں ہی مست ہوتا ہے۔ اور سمجھ رہا ہوتا ہے۔ کہ میں بڑے بڑے فائدے کے کام کررہا ہوں۔ مگر نفس لوّامہ والے کی حالت اس سے اچھی ہوتی ہے۔ یہ کچھ روشنی میں آجاتا ہے۔ پھر تاریکی میں جاتا ہے۔ پھر واپس آجاتا ہے۔ اور یہ اخلاقی دوسرا درجہ ہے ✦

نفس مطمئنہ پھر انسان اس سے بھی نکل کے ایک اور درجے میں جا بیٹھتا ہے۔ جو ان دو نو سے افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ جو ان دو نو سے ہزاروں درجے بہت اچھا اور عمدہ ہوتا ہے۔ اور وہ نفس مطمئنہ ہے۔ ایسا شخص جو نفس مطمئنہ کے درجے میں آجائے۔ بہت اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اب یہ روشنی ہی کا ہو جاتا ہے۔ تاریکی سے نفرت کرتا ہے۔ اور روشنی کے بغیر اسے چین ہی نہیں آتا۔ ایسا شخص خدا کا دوست اور پیارا اور شیطان کا سخت دشمن ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ہر وار سے اپنے آپ کو بچاتا اور ہٹاتا ہے۔ خدا کے پیاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور خوشی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور ایسے شخص کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ جو اوروں کو حاصل نہیں تھا ✦

الغرض یہ تین مدارج ہیں۔ اخلاق کی پہلی حالت تو بالکل مُردہ کی سی ہوتی ہے۔ دوسری حالت اس بچے کی مانند ہوتی ہے۔ جو ٹھوکر کھاتا ہے اور پھر سنبھل جاتا ہے۔ اور تیسری حالت پھر اس شخص کی مانند ہوتی ہے۔ جو خوب مضبوط جوان ہو۔ تندرست ہو۔ موٹا تازہ ہو۔ خوب آرام سے زندگی گذارے اور دنیا میں رہے ✦

دنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں۔ جو نفس امّارہ کے پیرو ہیں۔ کئی ایسے ہیں۔ جو نفس لوّامہ کے ماتحت ہیں۔ اور پھر کئی ایسے شخص ہیں۔ جو نفس مطمئنہ کو حاصل کئے ہوئے ہیں ✦

پہلی دوؔ حالتیں ایسی ہیں کہ جو اصلاح کے قابل ہیں۔ کیونکہ جب اصلاح ہی نہ ہو۔ تو تیسرے درجے پر کوئی کیسے پہنچ سکے۔ پس ہر شخص جو پہلے دوؔ نفسوں میں سے کوئی نفس بھی اپنے اندر دیکھتا ہو

نفس امّارہ ہو یا نفس لوّامہ۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اور جلدی کرے۔ تا وہ تیسرے درجے پر پہنچ سکے۔ سب سے گری ہوئی حالت اور سب سے بُری اور نازک حالت نفس امّارہ والے کی ہی ہوتی ہے۔ پس ایسے شخص کے متعلق چند امور ہیں۔ جن پر عمل کرنے سے وہ اپنے اندر ایک عظیم الشان تغیر محسوس کریگا۔ اور چند ہی دنوں میں وہ دیکھ لے گا۔ کہ پہلی حالت کس تاریکی میں تھی۔ اور اپنی اصلاح کے بعد کس روشنی میں جا پہنچی۔ اسی ضمن میں جب ہم

گناہوں کے پیدا ہونیکی پہلی وجہ

اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ کہ گناہ کس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کونسی وجہ ہے جس سے کوئی شخص خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی صرف یہی وجہ ہے۔ کہ لوگوں کا خدا پر پورا یقین اور پورا اعتماد نہیں ہوتا۔ وہ لوگ نہیں سمجھتے کہ کوئی خدا بھی ہے جو ان کے تمام افعال کو نیک ہوں یا بد دیکھ رہا ہے ۔۔ وہ لوگ مُنہ سے تو کہتے ہیں۔ کہ خدا ہے اور خدا سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ اور خدا کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں۔ مگر ان کے دل اس بات کے مُنکر ہوتے ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ ہمیں کون دیکھ رہا ہے۔ کس نے ہم سے اس کے بارے میں پوچھنا ہے۔ وہ افعال بد میں گرفتار ہوتے ہیں۔ خدا ان کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ کہ یہ یونہی باتیں ہی ہیں۔ جو کہا جاتا ہے۔ کہ خدا ہر وقت ہر گھڑی ہر شخص کے ہر حال کو خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ اسکی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اگر وہ شخص خدا پر پورا یقین رکھتا۔ اگر وہ خدا کی صفات کو خدا میں مانتا۔ تو کبھی بھی وہ کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوتا۔ کیونکہ جب بھی وہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا۔ تو فوراً اسے خیال آجاتا۔ کہ یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ خدا تو میرے دل کی مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ خدا تو میرے اس ارادے کو بھی معلوم کر گیا ہوگا۔ پھر اس کا نفس اسے ملامت کرتا۔ اور وہ ایسے کام سے رُک جاتا۔ پھر اگر اس کا ایمان خدا پر کچھ بھی مضبوط ہوتا۔ تو وہ ایسے کام میں نہ پڑتا۔ کیونکہ وہ سمجھ لیتا۔ کہ میں یہ کام خدا کی نافرمانی کا کرونگا۔ اور وہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کا ضمیر پھر اسے کوستا اور یہ باز رہتا۔ مگر اب اس کی کیا حالت ہے۔ یہ پنجۂ شیطان میں گرفتار ہے۔ یہ خدا کو خدا ہی نہیں سمجھتا۔ یہ خدا کی نافرمانی اور بغاوت کو بُرا ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ زَیَّنَ لَهُم الشیطان اعمالهم کے مطابق وہ ان کو نیکیاں ہی سمجھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے۔ کہ گناہوں سے میں بالکل پاک وصاف ہوں۔ گناہوں میں گرفتار ہیں۔ تو وہ دوسرے لوگ نہ کہ میں۔ پس خدا پر پورا یقین پورا اعتماد پورا بھروسہ اور پورا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہی تمام قسم کے گناہ انسانوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اگر ان کی یہ حالت نہ ہو تو پھر گناہ بھی نہوں۔ پس بہت ضروری ہے۔ ایسے شخصوں کے لئے جو کہ شیطان سے قریب اور خدا سے بعید ہوں۔ جو نفس امّارہ کے قابو میں ہوں۔ کہ وہ خدا پر اپنا یقین اور ایمان بڑھائیں۔ جب وہ ایسا

کرینگے۔ تو وہ دیکھ لینگے۔ کہ چند ہی ایّام میں ان کی پہلی زندگی اکثر سقموں اور عیبوں سے پاک ہو جائیگی۔ جن میں وہ اس سے پہلے گرفتار تھے۔ پس خدا پر ایمان اور یقین بڑھانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے مدِ نظر رکھے۔ اس کی سب صفتوں کو پیش نظر رکھ کے انپر غور و فکر کرے۔ اور پھر سوچے۔ کیونکہ سوچنے کا مادّہ اپنے اندر پیدا کرنے سے بھی بہت سی بدیوں سے انسان بچ سکتا ہے۔ اور بہت سی نیکیوں کو اختیار کر سکتا ہے۔ انسان اپنی عقل سے کام لے۔ سوچے اور غور کرے۔ اور کسی علیحدہ وقت میں وہ اپنے تمام گندے افعال کو سامنے لا کر سوچنا شروع کردے۔ تو اُسے بہت فائدہ محسوس ہو۔ اور اُسوقت اس کی عقل اسے سیدھے اور صاف رستے کی طرف ہدایت کریگی۔ مثلاً کوئی شخص چور ہے۔ اسے چوری کی بُری عادت لگ گئی ہے۔ وہ لوگوں کے اموال کو چُرا کے لاتا ہے۔ اور لوگ بچارے غریب اور مُفلس ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ علیحدہ وقت نکال کے اس معاملہ پر غور و فکر کرے۔ اور سوچے کہ اگر کوئی میرے اموال میں سے کچھ حصّہ نکال کے لے جائے۔ تو کیا مجھے خوشی ہوگی۔ یا تکلیف اور رنج پہنچیگا؟ جب وہ سوچیگا۔ تو اس کی عقل اسے یہی کہیگی۔ کہ اگر تیرا مال کوئی نکال کرلے جائے۔ تو تو اس وقت خوش نہیں ہوگا۔ بلکہ تو سخت تکلیف و رنج سے بھر جائیگا۔ جب سوچنے اور غور کرنے سے اسکی عقل اسے اس بات کی طرف ہدایت کریگی۔ تو اب اس کا ضمیر اسے ملامت کریگا۔ اور کہیگا۔ کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو لوگوں کے اموال چُرا کے لے آتا ہے۔ اپنے آپ کو خوش کر لیتا ہے۔ ان کو تکلیف میں چھوڑ آتا ہے۔ مگر جب کوئی تیرا روپیہ یا تیرا مال اسی طرح سے لے جائے۔ تو تُو اس وقت افسوس ظاہر کرتا ہے۔ جب تُو خود افسوس کرتا ہے۔ تو کیوں تُو غیروں کے احساسات کا خیال نہیں رکھتا۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ کہ اپنے اموال کے نکالے جانے پر تُو ناراض ہو۔ لیکن دوسروں کے اموال کے نکال لینے سے تُو خوش ہو۔ پس جب وہ سوچیگا۔ تو رفتہ رفتہ اسے بُرے کاموں سے نفرت ہوتی جائیگی۔ اور بدیوں کی نفرت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے آگے نیکیوں میں ترقی حاصل ہوتی ہے۔ نفرت پیدا نہیں ہوگی۔ تو اس نے اس کام کو چھوڑنا ہی کیا ہے۔ تو نفرت بھی بدیوں کے چھوڑنے کا ایک بہت بڑا اور کار آمد ذریعہ ہے۔ تو سوچنے سے اور سوچکر چوری کے خلاف اپنے اندر جذبہ نفرت پیدا کرنے سے چور اپنے چوری کے پیشے کو ترک کر دیگا۔ خود بھی آرام سے رہیگا۔ اور دوسرے لوگ بھی خوشی میں زندگی بسر کرینگے۔

ویسے ہی صفات الٰہیہ کا منکر جو زبان سے خواہ اقراری ہو۔ مگر دل اُس کا نہ مانتا ہو۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اس بُری حالت ناکارہ اور ردّی عادت کو چھوڑنے اور اس سے ترقی کرنیکے لئے صفات الٰہیہ پر غور کرے۔ ان کو سوچے اور سمجھے ÷

صفت رب العالمین پر غور وفکر

جب ایک شخص اللہ تعالیٰ کی سارے جہان کی ربوبیّت پر غور کریگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان صفت پر تفکر سے کام لیگا۔ تو

اس کا دل اسوقت یقیناً یہی کہیگا۔ خداوند تعالیٰ کی یہ ربوبیت بغیر کسی مقصد اور بغیر کسی مدعا کے نہیں ہو سکتی۔ آخر جب اس نے اتنا بڑا کارخانہ چلایا ہے۔ اور ہر ایک کی ربوبیت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بغیر حکمت کے حکیم کا کوئی فعل نہیں ہو سکتا۔ اس سوال کے پیدا ہونے پر ہی اس کا دل فوراً ہی جواب دیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ تو یہی بیان فرمائی ہے۔ کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ کہ میری غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور وہ میرے عبد بن جائیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی اس غرض سے اس کو واقفیت پیدا ہو جائیگی۔ تو پھر اس کا نفس اس سے یہی کہیگا۔ کہ خداوند تعالیٰ کے اس منشاء اور اس مطلب کو تو نے کہاں تک پورا کیا۔ اور تو نے کہاں تک اس مقصد الٰہی کے پورا کرنے میں حصہ لیا۔ جب اس سے کوئی جواب بن نہ پڑیگا۔ تو پھر اسے ملامت پیدا ہوگی۔ اور وہ خداوند کی طرف رجوع کریگا۔ اپنی بدیوں کی معافی چاہیگا اور نیک عملوں کی توفیق۔

صفت رحمانیت پر تفکر پھر جب وہ شخص خداوند تعالیٰ کی صفت رحمانیت پر غور کریگا۔ تو اسے معلوم ہوگا۔ کہ خدا کے اس پر کتنے ہی احسان ہیں۔ کہ بغیر مانگنے کے بغیر سوال کرنے کے بغیر کسی التجا اور دعا کے اس نے محض اپنے فضل اور اپنے رحم و کرم سے یہ چیزیں عنایت کیں۔ اگر خدا اسے زبان نہ دیتا۔ تو اس کا کیا اختیار تھا۔ کہ زبان لا سکتا۔ گونگا ہی رہتا۔ اور دنیا کے بہت بڑے بڑے کاموں سے رہ جاتا۔ اگر خدا اسے پاؤں نہ دیتا۔ بلکہ لنگڑا ہی پیدا کرتا۔ تو اس کا کیا بس تھا۔ عمر بھر لنگڑا ہی رہتا۔ اور لنگڑا رہ کے دنیا کے بڑے بڑے فوائد سے محروم رہ جاتا۔ اگر خدا اسے آنکھیں عنایت نہ کرتا۔ تو اس نے اندھا ہی رہنا تھا۔ اور اندھا ہونیکی وجہ سے وہ ہزاروں جگہ گرتا۔ ٹھوکریں کھاتا۔ اور کسی کام کا نہ رہتا۔ اگر کانوں سے بہرہ ہوتا۔ تو بھی اس کا کیا تھا۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے کتنے احسان ہیں۔ کہ اس نے محض اپنے فضل سے آنکھیں دیں۔ کان دیئے۔ زبان دی۔ پاؤں دیئے۔ اور ہر طرح کے فضل انسان پر نازل کیئے۔ سورج بغیر مانگے کے دیا۔ ہوا۔ پانی۔ میوے۔ غرضیکہ ہر چیز کو ہی انسان دیکھ لے۔ اسے ہر جگہ خدا کا جلوہ ہی نظر آئیگا۔ اسپر وہ طاری ہو جائیگا۔ جب وہ خدا کے ان انعامات پر غور و فکر کریگا۔ جو اس نے بغیر مانگے کے اسے دیئے۔ پس اس کا نفس اسے سخت ملامت کریگا۔ کہ کیسا ہی وہ ناشکرا انسان ہے۔ کہ خدا تو دے اور یہ شکر بھی تک ادا نہ کرے۔ بلکہ ہاتھوں سے وہ کام کرے۔ جو خدا کے غضب کو بھڑکانیوالے ہیں۔ پاؤں سے وہ وہ کام کرے جس سے خدا کی ناراضگی جوش مارتی ہے۔ زبان سے وہ کچھ کرے۔ جس سے تمام زمین کانپ اٹھے۔ پس اس کا دل اسے سخت ملامت کریگا۔ کہیگا۔ کہ کیا اسی لئے خدا نے تجھ پر احسان کیئے کیا اسی لئے خدا نے تجھ پر انعامات کیئے تھے۔ کہ تو اس کی نافرمانی کرتا۔ اس نے تو اسکو پیدا ہی اس لئے کیا تھا۔ دنیا

میں ہی اس لئے بھیجا تھا۔ کہ تا لیعبدون کا مصداق بنے۔ وہ تو بجائے عبدالرحمٰن بننے کے عبدالشیطان بن گیا۔ پس سوچنے اور غور و فکر کرنے سے اسکی عقل ایسی جگہ پر پہنچیگی۔ کہ جہاں سے باقی تمام افعال اس کو حقیر اور ذلیل نظر آئینگے ؎

صفت رحیمیت پر سوچ و فکر پھر جب ایسا شخص جو صفات الٰہیہ کا زبانی نہیں بلکہ دلی منکر ہے۔ خدا کی صفت رحیمیت پر غور کریگا۔ تو وہاں بھی سوچ سوچ کے اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہوا ہی نظر آئیگا وہ سوچیگا۔ کہ خدا کے انعامات کو کون شمار کر سکتا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کا قول سچ ہے۔ وان تعدّوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ کس طرح کسان ایک بیج کے دانے کو زمین کے اندر پھینک کے گھر چلا آتا ہے۔ پھر خدا ہی ہے۔ جو ان اندھیروں سے اسے نکالتا ہے۔ اور اسکی محنت کا کسان کو پھل اور ثمرہ عطا فرماتا ہے۔ کس طرح ہر انسان کی محنت پر اللہ تعالیٰ اُسے ثمرہ عطا فرماتا ہے۔ بشرطیکہ وہ محنت صحیح ذرائع کے ماتحت ہو۔ تو پھر کیا وہ ہی ایک ایسا رہ گیا ہے۔ کہ اگر وہ نیکی کریگا۔ تو خدا اسے بدلہ نہ دیگا۔ اور بدی پر اسے سزا نہ دیگا۔ اس کا دل اسکو کہیگا۔ کہ اگر تو نے بھی بدیاں کیں۔ تو تجھے بھی تیرے اس کام کا نتیجہ ملیگا۔ اور وہ تپتے جہنّم کی آگ ہوگی۔ لیکن اگر تو نیکیاں کر کے بدیوں کو مٹائیگا تو پھر خدا کی رضامندی تجھے حاصل ہوگی ؎

صفت مالک یوم الدین پھر ایسا شخص جو الٰہی صفات پر پورا یقین نہیں رکھتا۔ اللہ تعالےٰ کی صفت مالک یوم الدین پر غور کرے۔ تو اسے وہاں سے بھی بہت بڑی ہدایت میسّر ہوگی وہ سوچیگا۔ کہ خدا نے ایک ایسا دن بھی مقرر کیا ہے۔ جس دن نیکوں کو جزاء اور بدوں کو سزا ملیگی۔ تو پھر میں اس دن میں سے کیسے نکل سکتا ہوں۔ مجھ پر بھی وہ دن ضرور آئیگا۔ تو پھر مجھے اپنی عاقبت کی فکر اور اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ تا میں بھی اس دن اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر رحیم پاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو اپنے شامل حال دیکھوں۔ پس جب غور کریگا۔ صفات باری تعالیٰ پر تو بے اختیار اس کے منہ سے نکل پڑیگا۔ ایّاك نعبد و ایاك نستعین۔ کہ اے خدا میں اب تک بدیوں میں گرفتار رہا۔ میں بدیوں کو نیکیاں کر کے سمجھتا رہا۔ مگر اب مجھے یقین آگیا میں اب تیرا غلام ہوں۔ تیری مدد کا طلبگار ہوں۔ چاہتا ہوں۔ کہ تو مجھے ترقی دے۔ اور میرے قدم کو ڈگمگانے سے بچائے۔ پھر وہ خدا کے آگے سجدے میں پڑ جائیگا۔ اس کے منہ سے اسوقت یہی آواز نکلیگی۔ کہ اھدنا الصّراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ کہ اے خدا اب میں تیرے فضل کی ہی چادر کو پکڑ کر تیرے آستانہ پر

گرگر تجھ سے ہی دعا مانگتا ہوں۔ کہ تو مجھے اب آگے ہی چلائیو۔ آگے ہی ترقی دیجو۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ پھر اسی حالت پر چلا جاؤں۔ جو مغضوب علیہم کے مصداق تھی۔ بلکہ میں آگے ترقی کر کے اس مقام پر پہنچوں۔ جو انعمت علیہم کا مصداق ہے ؛

پس اس شخص پر (جو صفات الٰہیہ کو عملی رنگ میں نہیں مانتا۔ ہاں زبان سے اقرار کرتا ہے کہ خدا دیکھنے والا موجود ہے۔ مگر گناہ کرتے وقت وہ کہتا ہے۔ کون خدا۔ کوئی خدا نہیں) ضروری اور لازمی ہے۔ کہ وہ الٰہی صفات پر غور کرے۔ غور کرنیکے بعد اسکی حالت یکدم بدل جائیگی۔ اب وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کریگا۔ اسلئے کہ خدا اسے دیکھتا ہے۔ اسلئے کہ خدا کے اس پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ اور یہ کیوں ناشکرا بندہ بنے۔ پھر اس لئے بھی کہ قیامت کے دن بدوں کو سزا ملیگی۔ اگر یہ بدیاں کریگا۔ تو پھر یہ بھی اسی سزا کا مستحق ہوگا جو خدا نے اسکے لئے تیار کی۔ پس صفات الٰہیہ پر غور کرنے سے بہت حد تک گناہ انسان سے چھوٹ سکتے ہیں ؛

گناہوں کے پیدا ہونیکی دوسری وجہ

پھر گناہوں کے پیدا ہونیکی وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔ کہ انسان خیال کرتا ہے۔ کہ بندے اور خدا کا کیا جوڑ۔ بھلا خدا اور بندے کا کبھی آپس میں تعلق ہو سکتا ہے۔ کیسے ممکن ہے۔ کہ خدا اپنی حقیر سی مخلوق سے واسطہ باندھے۔ ان کے دلوں میں ایک مایوسی ہوتی ہے۔ اور جانتے ہو۔ کہ مایوسی کفر ہے۔ پس مایوسی سے انسان سمجھتا ہے کہ اب خدا سے تعلق تو ہونا ہی نہیں۔ چلو شیطان ہی سے تعلق باندھیں۔ عجیب بات ہے لوگ خدا کی طرف بہت جلدی راغب ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگ بوجہ اس کے کہ خدا کے فضلوں اور انعاموں پر انہیں پورا یقین نہیں ہوتا۔ شیطان کو دوستی کا پیغام دیتے ہیں۔ اور شیطان ہی سے الفت و محبت کا رشتہ گانٹھتے ہیں۔ لیکن کیا ایسے لوگوں کی یہ بات سچ ہے۔ کہ انسان خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیا ایسے لوگ واقعی حق پر ہیں یا نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بالکل ایک لچر اور بیہودہ بات ہے۔ خدا نے تو خود فرما دیا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ خدا نے تو خود ہزاروں پیغمبر رسول اسی غرض کے لئے بھیجے۔ خدا نے تو خود اسی لئے اپنی طرف سے آسمان سے وقتاً فوقتاً کتابیں نازل فرمائیں۔ خدا نے تو اسی لئے ہزاروں کو اولیاء بنا کے دنیا کو بتا دیا۔ کہ خدا سے بھی تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بندوں کے پیدا ہونیکی غرض ہی یہی ہے۔ کہ وہ خدا سے واسطہ اور تعلق پیدا کریں۔ پس یہ بات غلط اور بیہودہ ہے۔ ہاں ان کے دل میں وہ مایوسی ہی ہے۔ جو اس تمام کام کی محرک ہوئی ہے۔ پس مایوسی کے بیج کو فوراً اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے۔

کیونکہ جتنا چھوٹا پودہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کا اکھیڑنا آسان ہوتا ہے۔ اور جتنا کوئی بڑا درخت بن جاتا ہے۔ اتنا ہی مشکل سے وہ کاٹا جا سکتا ہے۔

یاد رکھو ہر بیماری کا جب ابتداء میں علاج نہ کرایا جائے۔ تو وہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ اس کا دور کرنا بہت بڑی محنت کا کام ہو جاتا ہے۔ پس جس شخص کے دل میں مایوسی کا خیال آئے۔ اسی وقت اس کو نکال دے۔ استغفار کرے۔ کیونکہ ہمارا خدا مایوسی کو کفر کہتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فلا تیئسوا من روح اللّٰہ۔ انہ لا ییئس من روح اللّٰہ الّا القوم الکافرون۔ ہمارا خدا تو بڑا مہربان بڑا ہی رحیم خدا ہے۔ ہمارا خدا تو فرماتا ہے۔ نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم۔ وانّ عذابی ھو العذاب الالیم۔ کہ لوگوں کو خبر کر دو۔ ان کے کانوں تک یہ بات پہنچا دو۔ تمام دنیا میں یہ اعلان مشتہر کر دو۔ کہ خدا الغفور الرحیم ہے۔ خدا ہر شخص کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ پس چاہیئے۔ کہ انسان بھی اسکی بخشش کا ہر گھڑی امیدوار رہے۔ ہاں اگر کسی کے دل میں مایوسی رہی۔ اس نے خدا کی اس بات کو نہ مانا۔ تو پھر وہ دوسری بات یہ بھی یاد رکھے۔ کہ خدا عذاب بھی پھر سخت دیگا۔ اور سخت سے سخت عذاب دے بھی سکتا ہے۔ پس اللّٰہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کہ وہ غافر الذنب ہے۔ قابل التوب ہے۔ ہاں ساتھ ہی اگر کوئی حد سے بڑھ بھی جائے۔ تو پھر شدید العقاب بھی ہے۔

پس مایوسی کو اپنے دل سے فوراً نکال دینا چاہیئے۔ مایوسی ایک سخت خطرناک کیڑا ہے۔ جو انسان کی سعی کو کھا جاتا ہے۔ انسان کی ترقی کے رستے میں یہ ایک بہت بڑی روک ہے۔ اس کو فوراً ہٹایا جائے۔ جب مایوسی دور ہو گئی۔ خدا کی رحمتوں کی امیدواری ہو گئی۔ تو پھر گناہوں کے بعد اللّٰہ تعالیٰ سے وہ معافی بھی مانگ لیگا۔ اور اس طرح سے وہ زنگ اس کے دل پر نہیں لگیگا۔ جو مایوسی سے لگ جاتا ہے۔

گناہوں کے پیدا ہونیکی تیسری وجہ

پھر گناہوں کے پیدا ہونیکی یہ بھی وجہ ہوتی ہے۔ کہ انسان کے دل میں تکبّر ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ میں گناہ کروں یا اچھے عمل کروں۔ مجھے کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اگرچہ اپنی زبان سے تو وہ نہیں کہتا۔ مگر اپنے عمل سے وہ یہی بتاتا ہے۔ کہ وہ خدا سے بڑا ہے۔ خدا اسے بدیوں کی سزا نہیں دے سکتا۔ خواہ وہ بڑے بڑے خطرناک گناہوں ہی کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ پس تکبّر بھی انسان کو ہلاک کر دینے والی چیز ہے۔ تکبّر سے بھی ہر انسان کو بچنا چاہیئے۔ اور اپنے نفس کے اندر بجائے تکبّر کے عاجزی اور انکساری پیدا کرنی چاہیئے۔ تکبّر خدا تعالیٰ ذو الجلال کی

نظروں میں بہت ناپسندیدہ چیز ہے۔ اسی تکبّر کی وجہ سے ہزاروں شخص گناہوں کے مرتکب ہوجاتے ہیں وہ خدا کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے۔ اپنے آپ کو ہی ہر چیز کا مالک بنا بیٹھتے ہیں۔ پس تکبّر سے چونکہ بہت گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اسلئے ہر شخص پر واجب ہے۔ کہ وہ تکبّر کو اپنے اندر سے نکالکر پھینک دے۔ عاجزی و انکساری اپنے اندر پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تمش فی الارض مرحا۔ انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ تکبّر سے انسان کر ہی کیا سکتا ہے۔ اصل چیز تو خدا ہے۔ تمام مخلوق خدا کے قبضۂ تصرّف میں ہے۔ یہ یونہی اپنے آپ کو مالک کر رہا بیٹھا ہے۔ یہ سمجھتا ہے۔ کہ بس میں ہی ہوں۔ اور کس کا کیا اختیار کہ میرے سامنے دم بھی مار سکے۔ اس تکبّر کو ہٹانا چاہیئے۔ کہ بغیر اس کے گناہوں سے بچنا اور ترقی حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے۔

انہی وجوہات پر ہی میں اکتفا کرتا ہوں۔ میری غرض یہی ہے۔ کہ انسان کو ان راستوں اور ان طریقوں کو ابتداء ہی میں بند کر دینا چاہیئے۔ جن سے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور جن سے کوئی شخص خدا کی بجائے شیطان کا ہوجاتا ہے۔ جب انسان ان راستوں کے بند کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ تو وہ پھر اپنے مقصد میں بھی بفضلِ تعالیٰ کامیاب ہوجائیگا۔ باقی دارد

عترتی سے کیا مراد ہے

انّی تارك فی کم الثقلین کتاب اللہ عزّوجلّ حبل ممدود ما بین السماء والارض و عترتی اھل بیتی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ سرورِ کائنات و فخرِ موجودات صلعم سے یہ ایک صحیح حدیث روایت کیگئی ہے۔ شیعہ اور سُنّی دونو اسکی صحت پر متفق ہیں۔ لیکن معانی کے لحاظ سے دونو کے نقطۂ نظر میں بعد المشرقین ہے۔ لہٰذا کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہوگا۔ کہ ہم ہر ایک فرقہ کے مسلمات سے اخذ مطالب کریں۔ کیونکہ عقائد صرف چند روایات پر ہی مبنی نہیں ہوتے۔ بلکہ انکی بنیاد اصول اور محکمات پر ہوتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ صدیوں سے فریقین کے درمیان روایات پر ہی بے معنی اور بلا نتیجہ سر پھٹول ہو رہی ہے۔ شیعہ سُنّیوں کی کتابوں سے اور سُنّی شیعوں کی کتابوں سے اپنے اپنے مطلب کی روایات لیکر آئے دن اس مذہبی دنگل میں اپنے کرتب دکھا رہے ہیں۔ لہٰذا فریقین کے رفع اختلاف کے لئے فریقین کے مسلّمہ معانی کے رُو سے بحث کرنا ہی وہ صراط مستقیم ہے۔ جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔ شیعی مسلّمات کے رُو سے اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ کوئی کتاب چونکہ اپنے قیم کے سوائے حجت نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا سرور کائنات صلعم کے بعد انکی اولاد اس کتاب مجید کی قیّم ہے۔ اور اس لئے مسلمانوں کی آئندہ ہدایت کے لئے ان دونو کی پیروی لازم ہے۔ بدوں اس کے ہدایت صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ دو کڑیاں ہیں جن سے یہ چیل تیار ہوا ہے۔ اور کہ یہ ابتدائے اسلام سے قیامت کے دن تک ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہینگے اور کبھی باہم جدا نہ ہونگے۔ اولاد کا اتم و اکمل فرد بیٹا ہوتا ہے۔ جو یہاں سرے سے مفقود ہے۔ کیونکہ مقصود اصلی اس سے یہی تھا کہ مسلمان جسمانیت کی سطح اسفل سے روحانیت کے اعلیٰ معراج پر پہنچیں۔ پہلے نبی تو اپنی ہی قوم کے روحانی باپ ہوا کرتے تھے۔ لیکن یہ شرف صرف سرور انبیاء کے لئے ہی مخصوص تھا۔ کہ وہ ساری دنیا کا روحانی باپ بنے۔ پھر بنا تک کے صریح ارشاد خداوندی سے اعراض کر کے صرف ایک بیٹی کی اولاد پر حصر کیا گیا۔ لیکن تورات کی پیشگوئی کے ماتحت انکی تعداد بھی بیابان کی ریت کے ذروں اور آسمان کے تاروں سے زیادہ تھی۔ لہٰذا نظر انتخاب نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے چھ ۶ کسی نے سات ۷ کسی نے بارہ ۱۲ چنے حتیٰ کہ آغاخانیوں کے ایک گروہ نے سر آغاخاں کو اپنا ایک سو چون ۱۵۴ اور دوسرے گروہ نے سر ابراہیم کو اپنا ایک سو ترپن ۱۵۳ کے عدد پر امام عصر مانا۔ ایک لحاظ سے یہ لوگ نسبتاً اچھے رہے۔ کیونکہ انہوں نے اولاد رسول کی ہر ایک پشت میں کم از کم ایک کو امام مانکر ساری پشتوں کی تقدیس کی۔ لیکن یہ سب کچھ انکی اپنی پسند تھی۔ ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت۔ سرور کائنات کے الفاظ اسکے متحمل نہیں ہو سکتے ؎

سب سے بڑا نقص اس توجیہ نے اسلام کی ہمہ گیری اور خاتم النبیین کے فیضان عامہ پر عاید کیا۔ اور اس امام الرسل و فخر اولین و الآخرین کو مختص القوم۔ مختص الزمان و المکان نبیوں کی صف میں جا کھڑا کیا۔ اسلام نے ذات گوت کی بیجا تعلّیوں کو حمیت الجاہلیت قرار دیا ہے۔ اور اس شجر ملعونہ کی جڑ میں انا جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا تبر رکھدیا تھا۔ لیکن اس خیال نے خود اسلام میں بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی برہمن اور شودر کے عدد بنا ڈالے۔ حالانکہ اسلام ہر ایک مومن کو ایک ہی سطح پر کھڑا کرتا ہے۔ کل مومن اخوۃ۔ شیعی تحریک کا بانی چونکہ عبداللہ بن سبا یہودی الاصل بیان ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی انہی بیجا تعلّیوں اور فیضان عامۂ اسلامی کو ایک ہی قوم میں محدود کر دینے کی خرابی بنی اسرائیل کی طرح پائی جاتی لازمی تھی۔ نحن ابناء اللہ و احباؤہ۔

اثنا عشریہ نے ائمہ کی تعداد کو بارہ پر حصر کیا۔ عددی لحاظ سے تو بیشک یہ ایک کامیابی ہے۔ کیونکہ سرور کائنات صلعم نے اس اصول کی جو قرآن کریم میں انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کے جامع اور واضح الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اور جس کی مزید وضاحت وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم الخ سے کیگئی ہے۔

بایں الفاظ تفسیر فرمائی ہے ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ کیونکہ اصلی حفاظت روحِ کلام کی ہے نہ الفاظ کی۔ گو روح الفاظ کے بغیر ہی متصور ہو سکتا ہے۔ آنحضرت پھر اسے کھول کر فرماتے ہیں۔ لا یزال ھٰذا الامر حتی تکون منکم اثنی عشر امیراً کلھم من قریش لیکن اثنا عشریہ نے جن بارہ افراد کا اِس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے انتخاب کیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ وفا نہ کی۔ اور الحبل کی ایک لڑی صرف تقریباً ڈھائی صدیوں تک آ کر ختم ہو گئی۔ اور آگے سینکڑوں سالوں کے لئے اُس کی صرف دوسری لڑی ہی قوم کے ہاتھ میں رہ گئی۔ بلکہ اس قیّم کی حیثیت والی لڑی کے عدم معیت نے دوسری لڑی یعنی کتاب اللہ کو بھی حجت کے مقام سے گرا دیا ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے ✤ گئے دونوں جہانوں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

چونکہ یہ تشریح لم یتفرقا حتی یردا علی الحوض کے بالکل منافی اور متعارض واقع ہوتی ہے لہٰذا اسکی بطالت میں کچھ شک نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ کی روحانی معیت مقصود اصلی ہے تو پھر وصیت کرنے والے کی عظیم الشان روحانیت کا تفرق ثابت کرنا پڑیگا۔ جو بدیہی البطلان ہے۔

باقی عترتی اھلبیتی کا لفظ ظاہر پرستوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو سکے تو ممکن ہے۔ لیکن اسلام کے فخر اور اسکی روحانی ہمہ گیری کا عارف اِس وہم کا شکار نہیں ہو سکتا۔ کیا اِن لوگوں کے کانوں نے سلمانُ منا اھل البیت کا روح افزا ترانہ کبھی نہیں سُنا۔ اور کیا وہ قرآن کریم میں آل ابراہیم اور آل فرعون کا محاورہ کبھی نہیں پڑھتے۔ ؎ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی ✤ کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔

حاشا! میرے اس بیان سے کسی کو یہ شبہ ناشی نہ ہو۔ کہ اس میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی منقصت مقصود ہے۔ ثم حاشا و کلا۔ گو یہ امر واقعہ ہے کہ ہدایت کے اس آسمان پر امام الرسل صلعم آفتاب ہے۔ اور اُس کا بروزِ اتم جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود علیہ و علیٰ مطاعہ الصلوٰۃ والسلام ماہتاب۔ لیکن اصحابی کالنجوم اور اھل بیتی سفینۃ النوح اور والذین اتبعوھم باحسان کے ماتحت تابعین اور تبع تابعین اُمّت کی رہنمائی کے لئے اپنے اپنے مراتب پر درخشندہ ستارے ہیں۔

یہ اصل کہ کتاب اپنے قیّم کے سوا حجت نہیں ہو سکتی۔ گو تکمیلی رنگ میں یہ درست ہے۔ لیکن یہاں تو اس خیال نے قیّم کو غار میں دھکیل کر کتاب سے پیچھا چھڑانے کے سوائے اور کوئی کام نہیں دیا۔

اہل سنّت والجماعت کے مختلف فرقوں نے بھی اپنے اپنے مذاق پر اس عقدہ کو کسی طرح کھولنے کی کوشش کی ہے۔ ایک گروہ نے تو خلفائے راشدین کے ساتھ یزید و مروان تک کو بھی گِن ڈالا ہے تاکہ بارہ کی تعداد کسی طرح پوری ہو جائے۔ لیکن ایسے اِس جذبۂ شوق کی وارفتگی میں خلافت راشدہ اور ملوک عضوض والی پیشگوئیوں کا

بھی انہیں خیال نہیں رہا۔ حالانکہ یہ دونوں پیشگوئیاں بجائے خود بڑی واضح بڑی مہتم بالشان تھیں۔ خود واقعات نے انپر مُہر تصدیق لگادی تھی۔

دوسروں نے عمومیت کے رنگ میں یہ مفہوم نکالا کہ ہر زمانے میں اس اُمت کے درمیان ایک گروہ ظاہرین علی الحق کا قائم رہا ہے اور قیامت تک رہیگا۔ ساتھ ہی ہر صدی کے سر پر ایک مجدد دین کی بعثت کا عقیدہ بھی ان میں قائم رہا ہے اور اس لئے اصولی رنگ میں اُن کی غلطی ایک فروعی غلطی کہی جا سکتی ہے۔ اور یہ غلطی انکو صرف اس سے لگی کہ اس بارے میں جملہ احادیث متعلقہ پر انہوں نے یکجائی نظر نہیں ڈالی۔

حفاظت کتاب کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا مبعوث ہونا خود سورۂ قدر میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پھر تیرہ صدیوں میں بارہ مجددین کا آنا اثنا عشر امیراً کی تفسیر تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ یہ انتظام اسوقت تک رہیگا جبتک کہ اسلام میں ایک حد تک ولایت دینی قائم رہے گی۔ جیسا کہ الفاظ لایزال ھٰذا الامر سے واضح ہے۔ اس کے بعد اسلام میں ایک ظلمت کبریٰ کی خبر دی گئی۔ لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمہ اور یہ سب کچھ تفسیر تھی اس آیت کی کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔ ساتھ ہی احیاء کے لئے ایک مسیح نبی اللہ کا مژدہ تھا جو تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ تقصیر نظر اور قلتِ تدبّر کا بُرا ہو۔ نہیں۔ نہیں۔ تعصب کے تاریک پردے اور دنیا پرستی کے سیاہ حجاب غارت ہو جائیں۔ انہوں نے شمس فی نصف النہار کو دیکھنے نہ دیا۔

چونکہ الف شہر " کا زمانہ محولہ سورۂ قدر اس قدر طویل نہیں۔ کہ اُس میں اصرار پاتے والے واقعات کہانی کا رنگ پکڑ کر ایمان کو تازہ نہ رکھ سکیں۔ لہٰذا اس حدیث زیب عنوان میں کتاب اللہ اور اسکی حفاظت کے اسی انتظام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور چونکہ یہ ابدی شریعت تھی۔ لہٰذا انھالم یتفرقا حتّٰی یردا علی الحوض میں ہی سچا اور پکا فلسفہ بیان گیا ہے۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالکر غور کرو کیا کوئی ایسی شخصیت بھی صورت پذیر ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ مہدی ہو خواہ عیسیٰ۔ جس کو تم ابدی کہہ سکو۔ اور اگر تم اپنے منہ سے کہہ بھی دو تو قدرت کا زبردست اور اٹل قانون اسکے ابطال کے لئے ہر وقت موجود ہے۔

بدنیا گر کسے پائندہ بودے ❊ ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

قدیم ہندوستان میں گوشت خوری کا رواج

گائے ذبح کرنیکے عام قواعد گائے اور دیگر جانوروں کے ذبح کرنے کے لئے جو قواعد بعض سوتر گرنتوں میں درج ہیں۔ وہ بہت ہی دلچسپ ہیں۔ اور ہدیۂ ناظرین کیئے جاتے ہیں۔

پنڈت آشو لائن اپنی تصنیف گرہ سوتر کی پہلی کتاب کی گیارھویں فصل میں پشو دکلپ کے عنوان کے ماتحت ان قواعد کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ صاف شدہ مکھن کی منتا کے بعد جو کچھ اگنی میں ڈالکر منائی جاتی ہے۔ رسوئی پانی کرنے والی آگ سے اسکے پہاڑ کی طرف ایک چولہا بنایا جاتا ہے۔ اسکے بعد قربانی کے جانور کو پیٹ بھر کر پانی پلاتے۔ پھر اشنان کراتے ہیں۔ اور قربانی کی آگ کے آگے کھڑا کر کے اس کا مُنہ پچھم کی طرف کر دیتے ہیں۔ پھر مکھن کو دو دفعہ آگ میں ڈالنے کے بعد جانور کی پیٹھ پر ایک سبز ٹہنی سے چُھوتے جاتے ہیں۔ اور یہ منتر پڑھتے جاتے ہیں۔ "فلاں دیوتا یا دیوی کو خوش کرنے کے لئے میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔ یہاں اس دیوتا کا نام بھی لیتے ہیں جسکے نام پر قربانی دیجاتی ہے بعض اور رسوم ادا کرنے کے بعد جانور کو گھاس پر لٹا دیتے ہیں۔ جو چولہے کے پچھم کی طرف ہوتی ہے جانور کا مُنہ پورب یا پچھم کی طرف کرتے ہیں اور گھر پہاڑ کی طرف۔ اور سمتر اگنی کے پاس ذبح کرتے ہیں۔ جس آلہ سے ذبح کرتے تھے۔ اس کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ اور تحقیق ثابت نہیں۔ کہ آیا چُھرا استعمال کرتے تھے۔ یا سخت اور مضبوط لکڑی کی میخ دل میں گھونپی جاتی تھی۔ مگر قربانی ہوجانے کے فوراً بعد رسم کے مالک یعنی پروہت کو چاہیئے کہ اس نازک حصّۂ جسم کو گھاس سے ڈھانپ دے۔ اور ٹیڑھا چیر دے کر سینے سے ضروری عضو کو باہر نکال لے۔ اس عضو کو وپ لکھا ہے۔ اور ڈاکٹر رجندر العل منتر کا خیال ہے کہ اس سے مراد جگر ہے۔ کیونکہ آجکل بھی گوشت کھانے والے ہندو جگر کے بہت شائق ہیں۔ اور اس کو بہت چاہتے ہیں۔ جگر نکالنے کے بعد اسے کاٹ کر دو لکڑیوں پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور پکانے والی آگ پر گرم کیا جاتا ہے۔ پھر قربانی کی آگ کی طرف بڑھ کر جگر کا ایک ٹکڑا اس میں بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر گوشت کو بھونتے ہیں اور اس پر مکھن ڈالتے جاتے ہیں۔ گوشت بھن کر جب اچھی طرح تیار ہو جاوے۔ تو پھر پلاش درخت کے پتوں پر رکھ دیا جاتا ہے اور اسکے بعد دیگر اور ٹکڑے آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر سارے جسم کے گیارہ حصّے کیئے جاتے ہیں۔ یعنی دل۔ زبان اور سینہ وغیرہ۔ اور ان سب کو سمتر اگنی پر بھونتے ہیں۔ دل کو ایک سیخ پر چڑھا کر بڑی احتیاط سے مکھن ڈال کر بھونتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بالکل نرم ہوجاتا ہے۔

تمام منتر جو اس موقع پر پڑھے جاتے ہیں۔ رگ وید کے سَنہت سے لئے جاتے ہیں۔

معزز مہمانوں کی آمد پر گائے کا ذبح کیا جانا

یہ قواعد جو اوپر بیان ہوئے ہیں اگرچہ نسبتاً آسان ہیں۔ مگر پھر بھی اس قدر پیچیدہ ہیں۔ کہ کسی معزز مہمان کی آمد پر کسی دعوت کے موقع پر زبانی یاد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ایسے مواقع کے لئے دوگ قواعد تیار کیئے گئے ہیں۔ جن میں مہمان کا حکم ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس رسم کو مادھو پارک یا شہد والی دعوت کہتے ہیں۔ یہ رسم صرف اسوقت ادا کی جاتی تھی۔ جب کوئی بادشاہ یا دولہا آئے۔ یا وید پڑھنے والا طالب علم اپنی تعلیم سے فراغت حاصل کرکے واپس گھر آئے۔ اچاریہ یا اتالیق جب ایک سال کے بعد گھر واپس آئیں۔ یا خُسر۔ ماموں اور دیگر بڑے آدمی جب گھر آئیں۔ مادھو پارک میں دہی اور شہد کا ہونا ضروری تھا۔ یہ چیزیں مہمان کو ایک کٹورے میں ڈال کر پیش کی جاتی تھیں۔ اور اگر مکھن نہ مل سکے۔ تو اس کی جگہ بھی شہد دہی دیتے تھے۔ پھر گائے کو مہمان کے سامنے کرتے تھے۔ جو اس کے قربان کرنے کا حکم دیتا تھا۔ اور "اوم کرو" کے جملے کو دہراتا تھا۔ جسکے معنی ہیں "پورا کرو میں آمین کہتا ہوں"۔ تب میزبان کسی دیوتا کے نام پر گائے کو ذبح کر دیتا تھا۔ اور اگر مہمان کا یہ منشاء ہوتا کہ گائے رہا کر دیا جائے۔ تو وہ کوئی منتر پڑھ کر اسکے چھوڑ دینے کا حکم دیتا۔ چنانچہ پھر اسے چھوڑ دیا جاتا۔ مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ رسم بغیر گوشت پکانے کے ہی ادا ہو جاوے۔ آشو لائن بڑے زور سے لکھتا ہے کہ مادھو پارک کی رسم ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک اسمیں گوشت نہ ہو۔ اور اس کا شارح گرگ نارائن لکھتا ہے۔ کہ جب جانور ذبح کیا جاتا ہے۔ تو اس کا گوشت دعوت کی ضروریات میں کام آتا ہے۔ اور اگر گائے کو چھوڑ دیا جاوے۔ تو گوشت کسی اور ذریعہ سے مہیا کرنا چاہیئے۔ مگر گوشت کے بغیر ہرگز کوئی دعوت دعوت نہیں کہلا سکتی"۔

اس قاعدے کے بیان کرنے میں صاحب شرح نے منوجی کے اس حکم کو مدِ نظر رکھا ہے جنکے نزدیک مادھو پارک کے وقت گوشت نہ کھانا ناپاک گناہ ہے۔ اور اس گناہ کے مرتکب کو ۲۱ دفعہ کسی جانور کا جنم لینا پڑتا ہے۔ (دیکھو منوسمرتی باب ۵ شلوک ۳۵) منو کا خیال ہے کہ برہما نے جانوروں کو قربانی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور ایسے جانور۔ حیوان۔ درخت۔ کچھوے اور دیگر پرندے جو مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں قربان کیئے جاتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ منوجی تو یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ قصاب کی دوکان سے جو گوشت خرید کیا جاوے۔ وہ بھگتی ہندوؤں کے لئے

پوتر اور ان کے مناسب حال ہے۔ (منوسمرتی باب ۵۔ شلوک ۳۶)

معلوم ہوتا ہے۔ قصابوں کے لئے جانوروں کو ذبح کرنے سے پیشتر کسی خاص رسم کو مدِّ نظر رکھنا ضروری نہیں ہوتا تھا۔ صرف اس قدر پابندی تھی۔ کہ مول لینے والے کو چاہیئے۔ کہ گوشت کو پکانے کے بعد اس کا ایک حصّہ دیوتاؤں۔ مہمانوں یا فقراء کی نذر کر دے۔ کیونکہ ساری قربانی اسی میں آجاتی تھی۔

ہندوؤں نے گوشت خوری کو کب اور کیوں ترک کیا

مندرجۂ بالا حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں گوشت کثرت سے استعمال ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ مذہبی رسوم کی ادائیگی میں از بس ضروری تھا۔ اسکے بعد پھر ایک ایسا زمانہ آیا۔ جب لوگوں نے کہا۔ کہ اگرچہ گایوں کا ذبح کرنا مقدس شاستروں میں مرکوز ہے۔ مگر عوام کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ضروری ہے۔ کہ اس سے پرہیز کیا جاوے۔ "انڈو آرینز" کا فاضل مصنّف کہتا ہے کہ اگرچہ پرچاپرت کے مصنف نے مدھوپرک کے موقع پر ضرورت کے متعلق اَشْوَلائن کے قاعدے کو حرف بحرف نقل کیا ہے۔ مگر آدِت پُران کے ایک حوالہ سے اسکو مقید بھی کر دیا ہے۔ کیونکہ اُس پُران میں لکھا ہے کہ اس کل جگ کے زمانے میں مدھوپرک کے موقع پر گائے کو ذبح کرنے سے احتراز کیا جائے۔ اس حوالے کو اور بھی کئی مصنّفوں نے نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "بیوہ لڑکی کا دوبارہ نکاح کرنا۔ دوج ذاتوں کا اپنی برادری سے باہر لڑکیوں کی شادی کرنا۔ وید کے ماہر اور شریف برہمنوں کا لڑائی میں قتل کر دینا (خواہ وہ خود ہی حملہ آور ہوں) فرائض کی ادائیگی۔ ملازمت یا وید پڑھنے کی وجہ سے سوگ کے دنوں کو کم کر دینا۔ مدھوپرک کے موقع پر جانوروں کا ذبح کرنا۔ ان سب باتوں کو کل جگ کے شروع ہوتے ہی قوم کے وِدْوانوں نے مخلوق کے بھلے کے لئے ترک کر دیا تھا۔ اور مہاتماؤں کا طرز عمل بھی وید کے احکام سے گھٹیا درجے پر نہیں" وَرِہاں آرْدیا پُران بھی اسی کے لگ بھگ کہتا ہے۔ کہ یہ بات قابل غور ہے کہ مندرجۂ بالا حوالے میں گوشت خوری کی ممانعت کھلے طور پر بیان نہیں کی گئی۔ گو اس کا مفہوم نکلتا ہے۔ چونکہ بعض وِدْوانوں نے یہ باتیں نہیں کیں اور ان کا ان باتوں پر عمل نہ کرنا۔ ایسا ہی زبردست ثبوت ہے۔ جیسا کہ ویدوں کے احکام۔ اس لئے انپر عملدرآمد نہیں کرنا چاہیئے۔ مصنّف ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ ان تصانیف کی تاریخ اور ان کے معتبر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر مترا کہتے ہیں۔ کہ یہ دونو حوالے اُپ پُرانوں سے لئے گئے ہیں۔ جو آج سے گیارہ یا بارہ سو (۱۲۰۰) سال پیشتر تصنیف ہوئے تھے۔ لیکن ان کی حفاظت ایسی بے احتیاطی سے ہوئی ہے۔ اور اس قدر ان میں تحریف کی گئی ہے۔ کہ وہ بالکل پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔ اور خود ہندو بھی ویدوں سمرتیوں اور سوتروں کے مقابلے میں انکو ادنیٰ درجہ کا خیال کرتے ہیں۔ پرچاپرت

میں لکھا ہے کہ اگر سرتی اور سمرتی میں اختلاف ہو۔ تو سرتی کی شہادت کو ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن سمرتی پُرانوں کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتبار ہے اور سمرتیوں میں بھی منو کی سمرتی زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پولستی کے نزدیک منو کی سند کلپ سوتر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ کلپ سوتر عین ویدسے لئے گئے ہیں اور اسی لئے انکی سند زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس قول کی کسی واضع قوانین یا شارح نے تردید نہیں کی۔ اُپ پُرانوں کا درجہ پُرانوں سے بھی گیا گذرا ہے۔ اور کسی زمانے میں بھی ان کو پُرانوں پر ترجیح حاصل نہیں ہوئی سُرتی اور سمرتی کا تو کیا ذکر ہے۔ درجے کے لحاظ سے پہلے سرتی یا وید دوسرے سوتر۔ تیسرے سمرتی۔ چوتھے پُران۔ پانچویں اُپ پُران۔ پس باوجود اس ترتیب کے پھر اگر اُپ پُرانوں کو باقی چار چیزوں پر گائے کا گوشت کھانے میں ترجیح دی جاوے۔ تو نہایت ہی حیرت کا مقام ہوگا۔ نرنا سندھو کا مصنّف تو اس سے بھی گرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ ایک نامعلوم حوالہ پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کام جو سُرگ کو نہیں لے جاتے۔ اور عامۃ الراے میں قابل نفرین ہیں۔ ان کو نہیں کرنا چاہیئے۔ اور پھر کہتا ہے۔ کہ بَیل اور دُمبے کا برہمنوں کے لئے ذبح کرنا اگرچہ آثار میں مذکور ہے۔ مگر چونکہ پبلک اسکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس لئے انکو ذبح نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ حکم کہ بچّہ نہ دینے والی گائے یا ایسی گائے جو اَب بچّہ نہیں دیتی۔ اسکو متر یا ورن کی بھینٹ چڑھا دینا چاہیئے۔ اگرچہ ویدوں میں درج ہے۔ لیکن اس سے چونکہ عوام کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس لئے اس سے محترز رہنا چاہیئے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ویدوں کے احکام کے برخلاف یہ عوام کے جذبات کا خیال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بُدھ مذہب جس نے ہر ایک قسم کی قربانی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا کامیاب مقابلہ کیا۔ جب برہمن اسکو ہندوستان سے خارج کرنے میں ایڑی چوٹی تک زور لگا رہے تھے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ جیو ہتیا کا مسئلہ لوگوں کے دلوں پر اس قدر گہرا اثر کر چکا ہے کہ اب اس کا نکالنا سخت دشوار ہے۔ اس لئے خود انہوں نے بھی اسکو آہستہ آہستہ اور خاموشی سے اپنے اندر لے لیا۔ اور اپنے شاستروں کا ایک جزو بنا لیا۔ انہوں نے ایسی عبارتوں پر زور دیا۔ جن میں جانداروں کے لئے رحم اور نرمی کی تعلیم تھی۔ اور قربانی کے مسائل کو اس قدر پس انداز کر دیا کہ وہ کبھی بھولے سے بھی یاد نہ آئیں۔ ...... چونکہ بُدھ مذہب کے عروج کے زمانے میں بُدھ کے چیلوں کی تعلیم اور تلقین سے ہندوؤں کے دماغ ایک بڑی تبدیلی کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اس لئے انکو بے انتہا قربانیوں اور گوشت کے نذرانوں کی جگہ ایمان۔ عبادت اور محبّت کے قائم کرنے میں ذرا بھی دِقّت پیش نہ آئی۔ شروع شروع میں ایسی قربانیوں سے پرہیز کرنا ہر ایک کے لئے ضروری نہ تھا۔

مگر بعد میں عام ہوگیا۔ اور کچھ تو اسلئے کہ فطرتی طور پر انسان کی طبیعت میں رحم کا مادہ زیادہ ہے اور کچھ اسلئے بھی کہ ہندو اپنے پڑوسی بدھوں کے جذبات کا لحاظ رکھتے تھے۔ جیسا کہ آجکل بنگال کے مختلف حصوں میں مسلمان بھی گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے مصنفین کو عوام کے طرز عمل اور انکے جذبات سے اپیل کرنے میں آسانی ہوگئی۔ اسلئے انہوں نے برملا کہدیا کہ اس زمانے میں قربانیوں کا ادا کرنا بالکل ضروری ہے۔ جب ایک دفعہ اسپر عملدرآمد ہوگیا۔ تو پھر کیا تھا۔ الغرض بدھ مذہب انسانیت سے اپیل کرنے میں ایسا کامیاب ہوا۔ کہ ہندوؤں کی سمرتیاں اسکے مقابلے میں عاجز رہ گئیں۔ اور رسم و رواج نے جیو ہتیا کے خلاف جو اثر پیدا کر دیا تھا۔ اس کو دور کرنے میں وید بھی ناکام رہے*

شذرات

قرآن مجید کے مفہوم میں سناتنی کا تصرف

سناتن دھرم پرچارک کے گوپال نمبر (نومبر ۱۹۲۳ء) میں ایک مضمون چھپا ہے۔ جس میں گائے کی حرمت اس آیت سے ثابت کی گئی ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر ومن البقر اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس مالک کا منشاء ہرگز گائے مارنے کا نہیں ہے"۔ لاحول ولا قوۃ۔ اگر کوئی ناواقف ترجمہ اور اس آدھی آیت کو دیکھ لے تو یہی سمجھے کہ قرآن مجید میں گائے کی سخت ممانعت ہے۔ حالانکہ تمام آیت یوں ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم ذلک جزینھم ببغیھم وانا لصادقون (انعام ع ۵) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کردیا تھا اور گائے و بکری دونو کی چربیاں (نہ کہ تمام گائے و بکری) بھی انپر حرام کردی تھیں مگر وہ چربی جو ان دونو کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی۔ یہ حرام کرنا بھی اسوجہ سے نہیں کہ گائے یا بکری کی تعظیم مدنظر ہے بلکہ یہ تو ایک بڑی نعمت ہے اور اس نعمت سے محروم جو ان کو کیا گیا ہے تو ان کی نافرمانیوں کی سزا میں ہے اور ہم سچے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو وہ ترجمہ اور مفہوم جو سناتنی صاحب نے از خود پیدا کرلیا۔ اور وہ اصل ترجمہ اور مفہوم

جو فی الحقیقت ہے۔ کس قدر غضب کی چالاکی یا قرآن مجید سے ناواقفیت اور جہالت ہے کہ آیت کو و من البقر پر ختم کر دیا ہے حالانکہ ساتھ ہی والغنم بھی لکھا ہے۔ اس طرح پر اگر گائے حرام ہو جاتی ہے تو ساتھ ہی بکری بھی حرام ہو گئی۔ پھر کلام تو ابھی پورا نہیں ہوا۔ حرام چربیاں ہوئی ہیں اور وہ بھی زائد چربی۔ نہ کہ وہ چربی جو گوشت ہڈی کے ساتھ لگی ہو۔ اور یہ چربی بھی اسوجہ سے حرام نہیں کہ بُری چیز ہے بلکہ متواتر نافرمانیوں کی پاداش میں ایک نعمت سے محروم کر دیا گیا ہے پھر یہ تمام حکم یہود کے لئے ہے اور ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ ہم تو قرآن مجید میں یہود کے لئے بھی انّ اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ پڑھتے ہیں۔ کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ وہ عظیم الشان عمدہ سے عمدہ گائے ذبح کرو۔

سناتن دھرم پرچارک سے میں درخواست کروں گا کہ وہ اپنے مذہب کے رو سے جو کچھ چاہے لکھے مگر مہربانی کر کے قرآن مجید میں تحریف معنوی و لفظی نہ فرمائے یا کم از کم اپنی جہالت کا پردہ فاش نہ کرے۔

(۲)

ارض حجاز کی تاریک سوشل حالت

اس عنوان سے وکیل روزانہ میں ایک مضمون مکّہ معظمہ کے باشندوں کے سوشل حالات کے متعلق چھپا ہے جس کے فقرات ہم محض اس لئے درج کرتے ہیں۔ تا ہمارے کلمہ گو بھائیوں پر واضح ہو۔ کہ فی الواقعہ اہل اسلام کی حالت روحانی اس درجہ خراب ہو چکی ہے کہ خود مرکز روحانیت میں ظھر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ در پیش ہے۔ کیا فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیرٌ منھم فاسقون کے بعد سنّت اللہ کے مطابق اِعْلَمُوا انّ اللہ یحی الارض بعد موتھا کا زمانہ نہیں آنا تھا ضرور تھا کہ ایک مامور ربانی نبیوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی روح و قوت میں آئے اور پھر ایک بار اصحاب کبار دنیا کو دکھاوے اور جو کچھ خیر القرون میں ہوا۔ آخری زمانے کے لوگ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ بہر حال موجودہ حالت مندرجہ ذیل الفاظ میں پڑھئے۔

(۱) "داڑھی منڈوانے کا اگرچہ دستور یہاں عام نہیں لیکن ہندوستان کی سی لمبی داڑھیاں یہاں قطعاً خلاف فیشن سمجھی جاتی ہیں۔ حاجیوں کے چلے جانے کے بعد جب کوئی داڑھی والا ملے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ صوفی ہے یا نو وارد ہندوستانی۔ کیونکہ صرف ہندوستانی و بخاری صوفیا ہی اب تک لمبی داڑھی

اور ٹخنوں تک کُرتے کی وضع کو نباہے ہوئے ہیں۔

(۲) علم کی کمی اور سامان معیشت کی فراوانی نے ملک یہاں کے باشندوں کی اخلاقی و مذہبی حالت کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ شریعت کی پابندی یہاں کے لوگوں کے نزدیک ایک ایسی بدعت ہے جس کا کسی نہج سے تحمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس شہر کی وسعت اور اس حرم محترم کی تقدیس پر نظر کیجئے تو ایام حج کے بعد نمازیوں کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ مسجد الحرام کے متعلق ایک بہت بڑا عملہ ہے لیکن بسا اوقات آپ دیکھیں کہ اُن میں سے بھی بعض اشخاص نماز کے اوقات میں اِدھر اُدھر کی گپّیں مارتے رہتے ہیں۔ حرم شریف کے چاروں طرف مکانات اور دُکانیں ہیں۔ ان کے رہنے والے بھی نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتے۔ مطوفین اور ان کے ملازمین کے لئے حرم شریف کے اندر نماز پڑھنے یا طواف کرنے کے لئے وضو بھی شاید ضروری نہیں۔ اخلاقی ذمائم میں طمع و اسراف کی وجہ سے جس قدر زیادتی ہے اس سے اگر قطع نظر کی جائے تو زنا اغلام اور اس سے بڑھکر عورتوں کی عورتوں کے ساتھ بدکاری یہاں عام ہے۔

(۳) بیشک ہندوستان اور دوسرے ممالک کی طرح چکلہ خانوں اور زنان بازاری کا یہاں دستور نہیں لیکن کم گھر ایسے ہونگے جن پر حقیقی معنوں میں چکلہ کا اطلاق نہ ہو سکے۔ بکثرت عورتیں طرح طرح کے خوش وضع برقعوں کے اندر ملفوف چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ مگر حیا جو پردہ کی حقیقت واصل ہے مفقود ہے۔

(۴) شریف مکّہ کو ناز ہے کہ ان کے ملک میں شراب کی دُکانیں نہیں ہیں لیکن خود وہ بھی شاید اس سے بےخبر نہیں کہ خاص ان کے بیٹوں اور دوسرے صاحب ثروت و اقتدار عربوں کے گھروں کے اندر میخانے قائم ہیں اور بالمرہ شرابیں اڑتی ہیں۔ جدہ میں شرابخوری زیادہ عام ہے۔ یہاں کی آبادی کا غالب حصہ زر پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔

(۵) میں نے ابتداءً بہت کوشش کی کہ اپنے حسن ظن کو ہاتھ سے نہ جانے دوں اور اس قسم کے جتنے واقعات پیش آتے تھے ان کی تاویل کر کے اپنے تئیں اور حتی الامکان اپنے ساتھیوں کو تسکین دیدیا کرتا تھا لیکن پے در پے تجربات اور مسلسل مشاہدات نے بالآخر میرا عزم متزلزل کر دیا۔ اور مجھے واقعات کو اپنی اصلی حالت میں دیکھنا پڑا (۶) میرے لئے سب سے زیادہ روح فرسا نظارہ وہ تھا جو خاص بیت اللہ شریف کے اندر پیش آیا۔ موسم حج میں اکثر عشا کے بعد بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولکر یہ لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور جو اشخاص مقررہ فیس ادا کرتے جاتے ہیں۔ انہیں ایک مختصر زینہ سے اوپر چڑھا کر بیت اللہ شریف کے اندر جانے دیتے ہیں۔ تین روپے دیکر داخلی کا شرف حاصل کیا۔ مگر حیرت و غم کی کوئی انتہا نہ رہی

جب میں نے دیکھا کہ ملتزم (شریف بیت اللہ شریف کے دروازہ کی چوکھٹ) پر داخلی کی معینہ رقم دینے کے بعد بھی خاندان شیبی کے زبردست ارکان سے نجات نہ ملی۔ بہت چاہا کہ اس طریقہ کی نامعقولیت ان کے ذہن نشین کردوں مگر اُنپر کوئی اثر نہ ہوا۔ (وکیل اخبار امرتسر)

(۳)

عیسائیت کا اثر باشندگان افریقہ پر

جس وقت ایک حبشی عیسائی ہوتا ہے۔ تو وہ بالکل یورپ کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ اور ان تمام فرائض اور پابندیوں سے جو ماں باپ اور اپنے قبیلہ کے متعلق اس پر عائد ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے علاوہ ازیں وہ یورپین طور وطریق کی نقل اُتارنی شروع کر دیتا ہے۔ جو گویا ایک وحشت کی زندگی ہے۔ اور شرابخوری اور منشیات میں بالکل غرق ہو کر اپنے لوگوں کی نفرت وحقارت کا آماجگاہ بن جاتا ہے۔ مغربی افریقہ اور افریقہ کے دوسرے حصص میں جو قوانین یورپین مسیحیوں نے بنائے ہیں۔ ان کے رُو سے ان افریقیوں کو جو یورپ کے رنگ میں رنگین ہیں۔ یہ اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے تمدنی اور قبائلی قوانین کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ کوئی سزا ان پر اسکے لئے وارد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ایک مسیحی حبشی اپنے قبیلہ کی نظروں میں ایک قطعاً ناپسندیدہ انسان ہوتا ہے۔ اور اسکے اپنے قبیلہ کے دلوں سے تمام ہمدردانہ اور مشفقانہ جذبات سرد ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف یورپین مسیحیت کی خصوصیات (یعنی علیحدگی اور رنگ وروغن کی تفریق) انہیں اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ بھی ملنے نہیں دیتیں۔ اپنا قدیم مذہب ترک کر کے اور مسیحیت کا حلقہ بگوش ہو کر کوئی خاص حیثیت اسی سوسائٹی میں نہیں۔ بلکہ ایک انسان سمجھا جانے کے اوّلین حق سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی انعام جو الوہیت مسیح کے عقیدہ کو قبول کرنے سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس کا یوروپین لباس اور اپنے ہم مشرب دیسیوں کا اسکو نفرت کی نگاہوں سے دیکھنا ہے۔ لیکن جلدی اسے اپنی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک سیاہ اور سفید عیسائی کے مابین حقیقی برادری کے تعلّقات ایک یوروپین دل ودماغ کے لئے بالکل اجنبی چیز ہے ❊

(۴)

اسلام کا اثر باشندگان افریقہ پر

لنڈن ٹائمز مورخہ ۱۳۔اگست ۱۹۲۰ء کے افتتاحیہ میں ایڈیٹر نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ نائیجیریا کے لوگ ہندوؤں کے برابر ہیں۔ اور گبن کا حوالہ دیتے ہوئے۔ کہ اس نے اہل نائیجیریا کو وحشیوں کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ اس ملک کی حالت کے متعلّق لکھا ہے کہ وہ ایک حبشی جو کام نہیں کر سکتا۔ ان میں سے یہ بھی ہیں۔ کہ وہ اپنی عقل ودانش سے خیالات کے

گھوڑے پر سوار ہو کر بلند پروازی کرنے اور لٹریچر پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ نہ وہ زراعت کے متعلق کوئی ترقی کی راہ نکال سکتا ہے۔ نہ دستکاری کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا سکتا ہے۔ نہ کوئی ضابطۂ قانون بنا سکتا ہے نہ مالگذاری کا کوئی موثر طریق ایجاد کر سکتا ہے۔ لیکن آج یہ حالت ہے۔ کہ نائیجیریا کے شمالی علاقہ کی بڑی بڑی اقوام نے سب کچھ کر دکھایا ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ قرآن اور بیرونی نمونہ کی مدد سے ایسا کیا ہے +

ایک مسیحی مشن کے ڈائرکٹر کے اسلام کے متعلق خیالات بے نظیر و قابل قدر ہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان خیالات کا اظہار کرنے والا کوئی معمولی انسان نہیں۔ بلکہ مسلمہ مسیحی لیڈر ہے۔

اسلام افریقہ میں ایک معقول اور دلکش مذہب سمجھا جاتا ہے۔ عیسائیت کے علاوہ یہی ایک مذہب ہے۔ جس کو دعویٰ ہے۔ کہ اسکے پاس ایک ایسا لٹریچر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے۔ مسیحی اور اسلامی کتب ہر دو ایمانداروں کو مرنے کے بعد مادّی خوشیوں کا وعدہ دلاتی ہیں۔ مسیحیت اور اسلام بہت سی باتوں میں اشتراک رکھتے ہیں۔ اور ہمارے اپنے بہت سے رشتہ دار اور دوست نبی عرب (صلعم) کے پیرو ہیں۔ جس طرح سے ہم میں سے بعض مسیح ناصریؑ کی پیروی کا دم بھرتے ہیں۔ اسلام افریقہ میں مستقل مذہب بن گیا ہے۔ نماز کے لئے اسکی اذانیں اور اس کا طریق عبادت اور اس کی سالانہ عیدیں جو بہت ہی موثر مناظر اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طبقہ کے لوگوں کو دن بدن اپیل کرتی جاتی ہیں۔ قوانین تمدن۔ خانگی انتظامات۔ مذہبی جوش۔ سیاسی خواہشات۔ دماغی قابلیت۔ باطنی طاقت اور لوگوں کے جذبات پر اسلام کا اثر ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جس پر کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ افریقی لوگ کوئی بچے نہیں نہ وہ بچپن کی حالت قائم کی ہے۔ جیسا کہ بعض یوروپین لوگوں کا بیان ہے۔ بلکہ دنیا کی دائمی بادشاہت میں وہ پوری عمر کے انسان ہیں ÷ (اشاعت اسلام لاہور)

(۵)

نبی کریمؐ کی نسبت غیر مسلم رائے

لین پول اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ "محمدؐ کی شخصیت رحم و شجاعت دونو کا مجموعہ ہے، وہ جو اکیلا برسوں تک اپنی ہموطنوں کی نفرت کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہی تھا جو دوسرے شخص کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ خود پہلے کبھی علیحدہ نہ کرتا۔ اور جو بچوں کے ساتھ بہت شفقت کرتا۔ اسکی تیز یادوستی۔ عظیم فیاضی۔ شجاعت و بسالت یقیناً مستحق تعریف ہیں۔ محمدؐ پر ظلم یا عیش پرستی اور مکاری کے الزامات عائد کیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب بے سروپا ہیں۔ جب آپؐ مکہ پر دس ہزار آدمیوں سے حملہ آور ہوئے۔ اور مکہ والوں نے مایوس ہو کر اطاعت قبول کر لی تو پیغمبر کے لئے یہ وقت خونخواری دکھانے کا تھا

آپؐ کو صدمہ پہنچانے والے آپکے قبضہ میں تھے۔ اور پوری طرح سے انسے انتقام لیا جاسکتا تھا۔ لیکن آپؐنے قریش کے تمام قصور معاف کر دیئے۔ اور فوج اسقدر سکوت و امن کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوئی۔ گویا کوئی نئی بات نہ تھی نہ کوئی گھر لوٹا گیا۔ نہ کوئی عورت بے حرمت کی گئی۔ نہ کسی کا خون بہایا گیا۔ ملک گیری کی تاریخ میں اس نوع کا فاتحانہ داخلہ کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ محمدؐ نے جو سلوک مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ کیا۔ اسپر سختی کا الزام رکھا جاتا ہے۔ لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے اس معاملہ کو دیکھا جاوے۔ تو محمدؐ اس الزام سے پاک اور صاف نظر آتے ہیں۔ محمدؐ صرف اسلام کے داعی نہ تھے۔ بلکہ آپ مدینہ کے حاکم بھی تھے۔ اور شہر کے امن و امان کے ذمہ دار تھے بحیثیت پیغمبر ہونے کے وہ باغیوں کے قصور معاف کر سکتے تھے۔ لیکن بحیثیت حاکم ہونے کے انکو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ یہودی خفیہ سازشیں کر کے بغاوت پھیلانا چاہتے تھے۔ اور محمدؐ اس شر و فساد کو دور کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملہ میں محمدؐ کو خونخوار بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ نے مطلق ظلم نہیں کیا۔ اور صرف نصف درجن یہودیوں کو جو اپنی قوم کے سردار تھے قتل کیا گیا۔ قتل کا جو طریقہ اختیار کیا گیا یہ تھا۔ کہ ایک ایک مسلمان گیا۔ اور خاموشی سے ایک ایک یہودی کو قتل کر آیا۔ بظاہر یہ طریقہ مکر و فریب کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوگا کہ مدینہ میں نہ تو پولیس تھی اور نہ قانونی و فوجی عدالت گاہ تھی جو علانیہ طور پر باغیوں کو گرفتار کر کے سزا دیتی۔ علاوہ اسکے علانیہ کرنے میں فتنہ و فساد کے اور بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیئے ان کو خفیہ طور پر قتل کرنا عین مصلحت اور دانشمندی تھی اور اس حکمت عملی کے انتظام رکھنے کے لئے سخت ضروری بھی تھی یہودیوں کے تین گروہ تھے جو محمدؐ کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ ان میں سے دو گروہوں کے متعلق تو صرف احکام جلاوطنی صادر کیئے گئے۔ لیکن تیسرا گروہ نہایت سرکش و باغی تھا۔ اور باشندگان مدینہ کو نہایت پریشان کیا کرتا تھا۔ اس گروہ کو یقیناً عبرتناک سزا دی گئی۔ اور وہ سزا بھی خود محمدؐ نے نہیں دی بلکہ ایک جماعت ثالث (پنچ) نے جسکو خود اس گروہ نے نامزد کیا تھا۔ (المنیر لاہور)

———:(۴):———

یورپ میں علوم فنون کی ترقی مسلمانوں کے ذریعے

جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب مسمی "اپالوجی فار دی محمدؐ اینڈ قرآن" میں کہتا ہے۔ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا۔ جو قدیمی اور زمانہ حال کے علم و ادب کے درمیان میں بطور ایک سلسلہ کے بیان کیئے گئے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مور تھے جو خلفائے عباسیہ اور بنی امیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم جو ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اسکا

وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہ بات مشہور و معروف ہے۔ کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب علوم و فنون جاری تھے۔ اور یورپ میں وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا۔ اور علم ادب تقریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اس کے یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے۔ کہ تمام علوم طبیعیات ہیئت فلسفہ و ریاضی جو دوسری صدی میں یورپ میں جاری تھے۔ ابتدائً عرب کے علماء سے حاصل ہوئے تھے۔ اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کیئے جاتے ہیں۔

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے "اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیئے۔ کہ وہ حضرت محمد صلعم کے پیروؤں کے جو قدیم اور زمانہ حال کے علم و ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں۔ کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں انہی کی کوششوں سے یونانی حکماء کی بہت سی کتابوں کی اشاعت ہوئی۔"

چیمبر انسایکلوپیڈیا میں مذہب اسلام پر ایک محققانہ آرٹیکل میں قابل مضمون نگار لکھتا ہے:۔

"ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے۔ کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا لیکن نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جاوے۔ تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اسی کا حصہ تھا مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ کے خلفاء کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم و ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا۔ اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اس کو پناہ نہ ملتی۔ فلسفہ قدرتی چیزوں کی تواریخ جغرافیہ علم تاریخ صرف و نحو علم کلام اور فن شاعری کی بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جن میں سے اکثر اس وقت جاری رہیں گی۔ اور تعلیم بھی دی جائیگی۔ جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی۔"

مشہور فریچ فلاسفر موسیو لی بان تمدن عرب میں علامہ سید علی گرامی کی زبان میں لکھتا ہے:۔

"نامور محققین کی تحقیقات اس امر کا بطرز قطعی فیصلہ کر دیتی ہے۔ کہ وہ مسلمان ہی تھے۔ جن کی بدولت دنیا نے اپنا قدم اس عمیق غار سے باہر نکالا مسلمانوں نے ہی علوم کا وہ چراغ جلایا۔ جس کو پیشوایان نصرانیت گل کر چکے تھے مسلمانوں ہی کے فیض سے آج علوم جدیدہ کے تارے اپنے پورے اوج پر چمک رہے ہیں" ۔ (مسلم راجپوت امرتسر)

(۷)

یورپ میں کثرت ازدواج کا مسئلہ

میڈم کالٹ ولیس فرانس کی سب سے بڑی انشاء پرداز خاتون ہیں

"میرا خیال ہے۔ کہ مسئلہ ازدواج کی موجودہ حالت کا علاج ایک منتظم کثرت ازدواج کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ حالات میں گذشتہ خیالات متعلق شادی، اپنے وقت سے نا مدر رہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت اخراجات کی کثرت ازدواج کو لکھ پتیوں ہی تک محدود کرتے نظر آتی ہے میں موجودہ نظام خاندان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ کہ بچے انہیں حالات میں رہ کر اپنے والدین کی عادات و معائب سیکھ لیتے ہیں۔ اس لئے ایک بہتر نسل کے حصول کے لئے میں کثرت ازدواج کی حمایت کرتی ہوں۔ کہ اس صورت میں لڑکا باپ کے نیک اوصاف کو مختلف ماؤں کی تربیت کے اندر دائمی طور سے اپنے کو متصف کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ ان حالات کے اندر بنی نوع انسان ایک مختلف الاقسام درخشاں اور بہتر نسل پیش کر سکیگا۔ موجودہ اجتماعی روح غائب ہو جائیگی۔ اور انفرادی جذبہ ترقی اس کی جگہ لیگا۔ میرا یقین ہے۔ کہ انسانی بہتری اور قانونی مساوات کے جذبے عورت کے موجودہ جذبہ خلاف کثرت ازدواج پر غالب آجائیں گے۔ اور وہ انسانیت کی فلاح و بہبودی کے لئے ایک شخص کی قسمت سے وابستہ ہو جانے پر تیار ہو جائیگی۔" (مسلم راجپوت امرتسر)

(۸)

انسان مجموعہ ہے چھوٹی چھوٹی بے شمار بیٹریوں کا

شکاگو میں ایک جلسہ ہوا ہے جس میں دنیا کے مختلف مقامات سے ۳۰۰۰ ڈاکٹر جمع ہوئے ہیں اور اپنی اپنی علمی اور عملی ایجادیں انہوں نے مجلس کے سامنے پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر جارج ڈبلیو کرائل کلیولینڈ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق انسان کے متعلق پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ انسان ایک مشین ہے جسکو بجلی اور عمل کیمیاوی چلا رہا ہے۔ اور اس مجموعہ جسم انسانی میں ان کے حساب کے رو سے ۲۸ نیل سیل ہیں۔ ان کے نزدیک جذبات انسانی مثلاً نفرت اور محبت خوف اور دل بستگی یہ صرف محرکات ہیں۔ جو بجلی کی رَو کو مختلف راستوں کے ذریعہ جاری کر دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ زندگی جس چیز کا نام ہے۔ اس کو انسانی علم اور تحقیقات پیدا کر سکیگی۔ ان کی تحقیقات کے رو سے انسانی جسم کے ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ سیل ہر ایک بجائے ایک بجلی پیدا کرنے کا پورا آلہ یا بیٹری ہے۔ جس کے مثبت اور منفی ہر دو سرے (پولس) ہر ایک میں موجود ہوتے ہیں۔ انسانی دماغ کے جسقدر سیل ہیں وہ سب مثبت بجلی والے ہیں۔ اور جگر کے جس قدر سیل ہیں وہ منفی بجلی والے ہیں۔ جس قدر فرق اس مثبت اور

منفی طاقت میں زیادہ ہے اسی قدر جسم میں قوّت محرک اور متحرک زیادہ ہوتی ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو یہ نسبت اور فرق بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ دونو برابر ہو جاتی ہیں۔ تکان سے بھی یہ فرق کم ہو جاتا ہے۔ اور نیند اور آرام سے یہ فرق پھر اصلی حالت پر عود کر آتا ہے۔ یہ برقی مشین جو انسان کے اندر موجود ہے اس قدر باریک اور نازک ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے باریک سے باریک اور نازک سے نازک آلہ سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ باریک اور نازک ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ برقی مشین انسان کے اندر شعلہ حیات کو قائم رکھتی ہے۔ ہر ایک سیل کے اندر یہ شعلہ جل رہا ہے۔ اور اس شعلہ سے تمام حرکت حیوانی چل رہی ہے۔ ان ڈاکٹر صاحب کی رائے کے بموجب زندہ اور مُردہ انسان میں بلحاظ کمیت بجلی کا کوئی فرق نہیں ہوتا ہے دونو میں یکساں ہوتی ہے صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ زندہ میں اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور مردہ میں اس کے جسم کے اندر محفوظ اور بند۔ زندہ میں یہ طاقت صرف احاطہ اختیار اور انتظام کے اندر ہوتی ہے۔ جس طرح کہ بجلی کی طاقت طاقت گھر میں جمع ہوتی ہے اور جس طرف اس کو چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔ مُردہ ہونے کی حالت میں وہ اختیار سے باہر ہو جاتی ہے۔ مثبت اور منفی آپس میں ملکر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بے اثر۔ اس کی مثال پانی کی دو نہریں ہیں۔ ہر ایک چاہتی ہے کہ تیزی سے بہے اور اپنی اصل حالت کی طرف عود کرے۔ ایک نہر کو روک دیا جاتا ہے۔ اور پھر پانی کو یک لخت چھوڑا جاتا ہے۔ جس سے بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور گھراٹ اور پن چکیاں چلنے لگتی ہیں۔ دوسری نہر اپنی رفتار پر چلی جاتی ہے۔ اس پر نہ پن چکی ہے اور نہ بجلی کا رخانہ۔ حالانکہ بجلی ہر ایک میں موجود ہے۔

یہ انسانی قوّت برقی جس سے انسان کام کو جاتا ہے۔ جس سے ٹائیپ والا ٹائیپ کرتا ہے۔ جس سے پہلوان کشتی لڑتا ہے۔ یہ اس تہ میں موجود ہوتی ہے جو ہر ایک سیل کے ارد گرد ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک سیل کا رقبہ ایک انچ کا چھ لاکھ پچیس ہزارواں حصہ ہے۔ اگرچہ یہ تہ صرف ایک ذرہ مقناطیس کی موٹائی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف کی تحقیقات کے رو سے اسکو اگر پھیلایا جاوے تو یہ ۹ مربعوں پر محیط ہو جاوے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ انہوں نے اپنے تجربہ سے اسکو ثابت کر لیا ہے لیکن اس کا پختہ ثبوت اسوقت ملیگا جبکہ اہل سائینس فی الحقیقت روح حیات عملی طور پر پیدا کرنے کے قابل ہو جائینگے۔

کیا اس سے بڑھ کر دجّال کی خدائی کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ (محمد دین امریکہ)

نظم تمیم

مسیحا آ گئے حاجت نہیں ناداں طبیبوں کی
ہمارے درد کے اب خود ہی درماں ہوتے جاتے ہیں

سیدنا مسیح موعود علیہ السلام

شبستانِ جہاں میں شمعِ محفل پھر ہوئی روشن
کہ پروانے سبھی آتش بداماں ہوتے جاتے ہیں

سیدنا محمود امیر المومنین

نجاتِ ہند کی خاطر اگر آئے تھے گاندھی جی
تو پھر کیوں اُن کے چیلے نذرِ زنداں ہوتے جاتے ہیں

دفورِ یاس میں جو حسرتوں کی عید کرتے ہیں
تصنع سے وہ ہنس کر خود ہی گریاں ہوتے جاتے ہیں

یہاں [illegible] ہے پر خاص [illegible] کیا گیا

اِنہی کی پاسِ خاطر سے ہمیں چھوڑا ایپاحی نے
جو اُس کے سامنے اب نامُسلماں ہوتے جاتے ہیں

اشدّھی سے کھُلیں گی پٹیاں آخر تعصّب کی
ہماری غرقی کے خود ہی ساماں ہوتے جاتے ہیں

ترا مجنون اور وہ خانۂ زنجیر میں بیٹھے
نئے اُس کے لئے پیدا بیاباں ہوتے جاتے ہیں

غلامان مسیح موعود علیہ السلام

گہے صدقش ضیا بارد براَمریکہ تر المسجد
کہیں افریقی نیر سے درخشاں ہوتے جاتے ہیں

حضرت صادق — حضرت نیر

ہے گرمِ استباق اِس شان سے یعقوب کا یوسف
کہ مصری بے وفا ضل آسپہ قرباں ہوتے جاتے ہیں

شیخ محمود احمد

امامِ مسجدِ پٹنی - مبارک ہو تجھے لندن
نقوشِ عہدِ اوّل اب نمایاں ہوتے جاتے ہیں

مولانا مبارک علی

بخارا کی کماں دستِ یمیں میں آچکی سمجھو
عصائے زار کے ملنے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

محمد امین خان صاحب

کنیزانِ مسیحا نے بنا برلن میں کی مسجد
مخالف اور موالف سُن کے حیراں ہوتے جاتے ہیں

درخت اپنے پھلوں سے ہی اگر پہچانا جاتا ہے
تو پھر کیوں دیکھ کر اندھے پشیماں ہوتے جاتے ہیں

(آپکا اخلاص مند۔ غلام مرتضےٰ خاں تمیم)

اخبار الفضل سلسلہ احمدیہ کا مسلّمہ آرگن

(ہفتہ میں دوبار قیمت سالانہ سات روپے)

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے۔ کہ اخبار الفضل جماعت احمدیہ کا آرگن ہے اور خدا کے فضل سے اسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے خطبات جمعہ و نکاح و عیدین و تقاریر و کلمات طیبات بالالتزام شائع کرتا ہے۔ اور یہی وہ اخبار ہے جس میں مبلغین ہند و انگلستان و امریکہ و ماریشس وغیرہم کی رپورٹیں چھپتی ہیں اور جس کے ذریعہ مجاہدین ملکانہ کی کارگذاریاں جماعت میں پہنچتی ہیں۔ پس آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس اخبار کی توسیع اشاعت کس قدر اہم و ضروری ہے کیونکہ الفضل کی جتنی اشاعت بڑھیگی اتنا ہی تبلیغی فرض ادا ہوگا اور سلسلہ احمدیہ ترقی کریگا۔ پس کیا یہ آپکا فرض نہیں۔ کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ خریدار الفضل بنیں اگر پہلے ہی سے خریدار ہیں تو اپنے کسی بھائی یا دوست کو الفضل کا خریدار بنائیں نو آنے ماہوار کوئی بڑی بات نہیں۔ جو دوست اس کار خیر میں حصہ لینگے ان کے نام نامی اخبار میں شکریہ کے ساتھ چھاپے جائیں گے۔ **منیجر اخبار الفضل قادیان۔**

ماہ فروری کا رسالہ وی پی ہوگا

تمام خریداران اردو ریویو آف ریلیجنز۔ کے نام جن کی قیمت دسمبر ۱۹۲۳ء میں ختم ہوتی ہے ماہ فروری کا رسالہ پانچ فروری ۱۹۲۴ء کو وی پی ہوگا۔ احباب وصول کرنے کے لئے تیار رہیں اور بہتر ہو کہ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں تا آپ ۲ر زائد دینے اور ہم وی پی کرنے کی محنت اور واپسی کے نقصان سے بچ رہیں۔ **منیجر ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔**

ہماری نماز:- اس نام سے ایک رسالہ مکرم معظم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے شائع کیا ہے۔ نماز کو مع ترجمہ و تفسیر ایسے طور پر پیش کیا ہے کہ دل میں یہ بات میخ آہنی کی طرح گڑ جاتی ہے۔ کہ نماز ایک مومن کی روحانی غذا ہے اور تمام ترقیات انسانی و کمالات روحانی اسی پر موقوف ہیں۔ یہ رسالہ خوشخط نہایت اچھے کاغذ پر بہت عمدہ چھپا ہے۔ بک ڈپو سے مل سکتا ہے۔

مشین گن و تارپیڈو:- بیسویں صدی کا مہرشی کے بعد ہمارے مکرم حکیم قاسم علی صاحب نے مشین گن رسالہ لکھا جسمیں ویدوں کے الہامی نہ ہونے پر نہایت مدلل بحث کی ہے۔ ہر ایک علم دوست طالب حق کیلئے اسکا مطالعہ ضروری ہے قیمت ۲ر اسکے بعد آپ نے تارپیڈو شائع کیا ہے جسمیں چھوت چھات کے ان نقصانات کی جو ہندوؤں کے طرز عمل سے مسلمانوں کو پہنچے تفصیل بیان کرکے ان سے بچنے

[illegible] پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان

(اُردو)

کی نسبت

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں:۔

"میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس وقت توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد میں جہاں تک ان سے ممکن ہے اپنی ہمّت دکھلادیں۔" اور پھر فرماتے ہیں۔

"اگر اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت سے دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں۔ تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔"

میرے سیّد و مولیٰ نے جب یہاں تک فرمادیا۔ اور جماعت سے دس ہزار خریدار کا مطالبہ اس وقت کیا۔ جب کہ جماعت کی تعداد لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کیا اب چھ سات لاکھ جماعت کی موجودگی میں میری یہ درخواست کہ

کم از کم ایک ہزار خریدار ریویو کو اور دیا جائے۔

صحابہ کرامؓ کا نمونہ دنیا کو دکھانے والی قوم کے سامنے کچھ ایسی درخواست ہے جو پوری نہ ہو ہرگز نہیں۔ مجھے یقین رکھنا چاہیئے کہ ایک ہزار خریدار رسالہ ریویو کو ضرور دیا جائیگا کیونکہ موجودہ صورت میں خریداروں کی اتنی کمی ہے کہ خرچ۔ آمد سے زیادہ ہے۔ حالانکہ

ریویو آف ریلیجنز کی حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنا رسالہ تشحیذ الاذہان تبدیل کرادیا

پس دوست اپنے فرض کو پہچانیں۔ اور ۳ ماہوار خرچ کر کے اس کے خریدار بن جائیں اور اگر آپ خریدار ہیں۔ تو کسی اپنے بھائی یا دوست کے نام رسالہ جاری کرادیں۔

قیمت سالانہ صرف تین روپے۔ طلباء اڑھائی روپے۔

مینیجر اردو (ریویو آف ریلیجنز) قادیان